32

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

23 تا 29 اگست 2007ء / 9 تا 15 شعبان المعظم 1428ھ

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

ثبوت مٹانے والے.....

آزادی کے ساٹھ سال
ہم کہاں کھڑے ہیں؟

پاکستان میں نفاذ شریعت کا
صحیح طریق کار

ڈاکٹر اسرار احمد سے معذرت کے ساتھ

اسلامی نظام کے قیام کا طریق کار:
چند وضاحتیں

ہمیں غلامی نہیں گوارا

عالم اسلام

نوباتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میرے پروردگار نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے:

1۔ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرنا

2۔ غصہ اور اطمینان کی حالت میں سچی بات کہنا

3۔ افلاس یا دولت مندی دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا

4۔ جو مجھ سے کٹے، میں اس سے قرابت داری قائم اور برقرار رکھوں

5۔ میں اس شخص کو دوں جو مجھے محروم رکھے

6۔ جو مجھ پر ظلم کرے (باوجود قدرت کے) میں اس کو معاف کر دوں

7۔ میری خاموشی غور و فکر ہو

8۔ میری گویائی ذکرِ الٰہی ہو

9۔ اور میری نظر عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو اور میرے پرودگار نے یہ حکم دیا ہے کہ میں نیکیوں کا حکم دوں۔

جامع الاصول

سورۃ الانعام

(آیات 20 تا 24)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ﴾

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (ہمارے پیغمبر ﷺ) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں جنہوں نے اپنے تئیں نقصان میں ڈال رکھا ہے۔ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے پھر مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا۔ تو اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا) کہ کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے۔ دیکھو انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ افترا کیا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہا''

مکی دور کے آخری حصے میں یہ بات مدینہ میں پہنچ چکی تھی کہ مکے میں ایک دعوت بڑے زور شور کے ساتھ اٹھ رہی ہے۔ مدینے کے یہودی مکے والوں کو کچھ سوالات بھی بتا رہے تھے کہ حضور ﷺ سے یہ پوچھیں، بھلا وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ مثلاً ذوالقرنین کون تھا؟ اصحاب کہف کا قصہ کیا ہے؟ اگر آپ نبی ہیں تو روح کی حقیقت بتائیے؟ یہ سارے سوالات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں مذکور ہیں اور ان کے جواب بھی آ گئے ہیں۔ نتیجتاً اہل کتاب کے صاحب علم لوگ جان گئے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر ہیں۔ مگر اپنے تعصب کی بنا پر وہ جاننے کے باجود ہدایت سے محروم رہ گئے۔

جن کو ہم نے کتاب عطا فرمائی تھی وہ اُس کو پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ ''هٗ'' کی ضمیر دونوں طرف راجع ہو سکتی ہے قرآن کی طرف بھی اور محمد ﷺ کی طرف بھی۔ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ قرآن حکیم اور محمد رسول اللہ ﷺ مل کر ہی ''بیّنۃ'' بنتے ہیں، گویا دونوں ایک ہی حقیقت ہیں۔ حضور ﷺ قرآنِ مجسم ہیں جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کسی کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ ''کَانَ خُلُقُهُ الْقرآن'' یعنی حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی تو ہے۔

البتہ جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تل گئے ہیں وہ تو ایمان نہیں لائیں گے اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹی تہمت لگائی یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔ یہ دونوں باتیں جرم عظیم ہیں۔ یقیناً ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو، اور پھر ہم ان شرک کرنے والوں کو کہیں گے، کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کے بارے میں تمہیں گھمنڈ ہو گیا تھا کہ وہ بچا لیں گے؟ اُس وقت اُن کو کوئی حیلہ بہانہ کام نہ دے گا، سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم تیری قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے شرک نہیں کیا تھا۔ دیکھو، وہ اپنے اوپر کیسے جھوٹ بولیں گے۔ اور جو افترا انہوں نے کیا ہوا تھا کہ فلاں دیوی، فلاں دیوتا بچا لیں گے وہ سب نسیاً منسیاً ہو جائے گا۔ گویا اُن کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عورت کا تنہا سفر

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ((لَایَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ تُسَافِرُ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ عَلَیْهَا)) (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک دن رات کی مسافت کے بقدر تنہا بغیر کسی محرم کے سفر کرے۔''

تشریح: اسلام میں عورت کی عصمت کی حفاظت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پہلے باپ اُس کا محافظ اور سرپرست ہوتا ہے۔ شادی ہونے کے بعد وہ شوہر کی حفاظت میں آ جاتی ہے۔ اسی لئے شادی شدہ عورت کو محصن (محفوظ) کہا گیا ہے۔ عورت کتنی بھی بہادر ہو جب وہ محرم کے بغیر اکیلی سفر کرے گی تو کوئی بدقماش اس پر بُری نظر ڈال سکتا ہے۔ عورت کی عصمت کی مکمل حفاظت کے لئے اسلام میں اُسے تنہا سفر کرنے سے روکا گیا ہے۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 23 تا 29 اگست 2007ء — شمارہ 32
9 تا 15 شعبان المعظم 1428ھ

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 6316638 - 6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے
سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محبوب الحق عاجز

ثبوت مٹانے والے سلاخوں کے پیچھے ہوں گے

عدالت عظمیٰ نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے گرفتار ہونے والے افراد کے حوالے سے انتظامیہ اور پولیس کے غیر ذمہ دارانہ رویے پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ڈائریکٹر جنرل کرائسز مینجمنٹ سیل، ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی اسلام آباد کی سرزنش کی ہے اور وفاقی سیکریٹری داخلہ کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنی نگرانی میں لے کر عدالت میں پیش ہوں، جبکہ سیکرٹری قانون حکومت پنجاب کو حکم دیا گیا ہے کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے متعلق مقدمات کے لئے 24 گھنٹے کے اندر خصوصی جج مقرر کر کے روزانہ کی بنیاد پر مقدمات کی سماعت کی جائے۔ دوران سماعت، چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے ریمارکس دیئے کہ گرفتار ہونے والے 90 فیصد افراد کے خلاف ثبوت موجود نہیں۔ جامعہ حفصہ کی عمارت ثبوت مٹانے کے لئے گرائی گئی ہے۔ یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ قرآن پاک کی بے حرمتی ایک سنجیدہ معاملہ ہے۔ اِس سے پوری قوم پر عذاب آ سکتا ہے۔ ثبوت مٹانے والے سلاخوں کے پیچھے ہوں گے۔ فاضل عدالت نے پولیس کی جانب سے مولانا عبدالعزیز اور اُن کی صاحبزادی پر دفعہ 302 لگانے پر ڈپٹی کمشنر اسلام آباد پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''خدا کا خوف کریں، صرف اپنی نوکری بچانے کے لیے لوگوں پر ظلم نہ کریں''۔

حکومت نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے خلاف آپریشن سائلنس کے نام سے جو خوفناک اور وحشیانہ آپریشن کیا، اور جس کے نتیجے میں سینکڑوں معصوم طلبہ و طالبات شہید ہوئے، اس پر پاکستان کا ہر مسلمان شدید افسردہ ہے۔ سانحے کو ڈیڑھ ماہ گزرنے کے باوجود بہت سی آنکھیں اب بھی اشکبار ہیں۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو سکتے کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ یہ سانحہ ہمارے قومی وجود پر ایسا زخم ہے جو شاید ہی کبھی مندمل ہو سکے، جس کی کسک مٹائے نہیں مٹ سکتی۔ اندریں حالات چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے جو ریمارکس دیئے ہیں، وہ بلاشبہ پوری قوم کے دلوں کی آواز ہیں۔ اُن کی جانب سے سیکرٹری قانون پنجاب کو یہ حکم کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے متعلق مقدمات کے لیے خصوصی جج مقرر کر کے روزانہ کی بنیاد پر سماعت کی جائے، یقیناً قابل ستائش ہے، جس پر قومی حلقوں اور عوامی سطح پر اطمینان کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ قوم اِس اندوہ ناک سانحے کے حوالے سے چیف جسٹس سے بجا طور پر یہ توقع رکھتی ہے کہ اِس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کروا کر تمام حقائق منظر عام پر لائیں گے، اور جس نے بھی مجرمانہ کردار ادا کیا ہے، اُسے ضرور سزا دی جائے گی اور کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتی جائے گی۔ اس لئے کہ سینکڑوں افراد کی مظلومانہ شہادت معمولی واقعہ نہیں بلکہ یہ قومی سانحہ اور دردناک المیہ ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو نفاذ اسلام کا مطالبہ لے کر اُٹھے تھے اور مطالبہ کر رہے تھے کہ عوام کو ظالمانہ استحصالی نظام سے نجات دلائی جائے، ملک کی اساسی اقدار اور روایات سے متصادم مغربی کلچر کی سرپرستی اور فحاشی و عریانی کی ترویج بند کی جائے، اور اسلام آباد میں گرائی گئی مساجد دوبارہ تعمیر کی جائیں۔ یہ وہ مطالبات تھے، جو سنجیدہ غور و فکر کے متقاضی تھے۔ ان پر عمل درآمد کیا جانا چاہیے تھا۔ مسلمانوں کے ملک میں نفاذ اسلام کا مطالبہ ہرگز ناجائز مطالبہ نہیں تھا۔

حکومت کا یہ موقف رہا کہ لال مسجد انتظامیہ نے حکومت کی رٹ کو چیلنج کیا کہ پہلے مبینہ طور پر بدکاری کا اڈہ چلانے والی ایک مقامی عورت اور پھر چینی مساج سنٹر کی عورتوں کو گرفتار کر کے مدرسہ میں لایا گیا اور انہیں حبس بے جا میں رکھا گیا۔ اگر فی الواقع حکمرانوں کا یہی خیال تھا، اور آپریشن کے دیگر محرکات نہ تھے، تو بھی ضروری تھا کہ متعلقہ افراد کے ساتھ قانون کے مطابق سلوک کیا جاتا۔ سینکڑوں افراد کو اُن کے ناکردہ جرائم کی پاداش میں حق زندگی سے محروم نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ آئین کے آرٹیکل 9 کے مطابق ملک کے کسی بھی شہری کو قانون میں وضع کردہ طریق کار کے برخلاف اُس کے حق زندگی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ قانون کے مطابق اس کا طریق کار یہ ہے کہ اُس آدمی پر مقدمہ چلے گا۔ اُسے اپنے دفاع کا پورا حق دیا جائے گا اور پھر عدالت قانون کے مطابق فیصلہ دے گی اور اس فیصلہ کے خلاف ملزم کو

اپیل کا حق حاصل ہوگا، ہاں اس کے بعد بھی اگر اُس کی سزائے موت برقرار رہتی ہے تو اُسے مار دیا جائے گا۔ قانون کے ماہرین کا کہنا ہے اگر ملزم سے اپیل کا کوئی ایک بھی فورم چھین لیا جائے تو اس کی سزا کا طریقہ کار ہی غیر قانونی ہوگا..... یہاں کیا ہوا؟ حکومت نے مقدمہ چلانے اور قانونی تقاضے پورا کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، مسجد و مدرسہ کے خلاف فوجی آپریشن کر کے بے گناہ محصورین کو خاک وخون میں نہلا دیا گیا۔

عدالت کو اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ آخری آپریشن سے قبل رات کو حکومتی نمائندوں اور علماء کرام سے مذاکرات کے نتیجے میں غازی عبدالرشید پُرامن حل پر آمادہ ہو چکے تھے اور فریقین کا معاہدہ کی شرائط پر بھی اتفاق ہو چکا تھا، پھر وہ کون سی قوت تھی جس نے پرامن حل کے ہر امکان کو یکسر مسترد کر دیا؟ اور آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ مبصرین کا خیال ہے کہ جنرل پرویز مشرف بہر صورت طاقت کے استعمال کا فیصلہ کر چکے تھے، اور یہ سب کچھ امریکہ کے کہنے پر ہوا۔ اس تاثر کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ خود امریکی صدر بش نے آپریشن کے حوالے سے کہا کہ یہ کارروائی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا حصہ ہے۔ اگر دہشت گردی کے خلاف جنگ اسلام کے نام لیواؤں، اور شریعت کے علمبرداروں کے خلاف ہے تو معزز عدالت اس امر کا بھی جائزہ لے کہ آیا آئین کسی حکومت کو ایسی جنگ میں کسی خارجی طاقت کا اتحادی بننے کی اجازت دیتا ہے؟ اور کیا اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک میں یہ رقص ابلیس یونہی ہوتا رہے گا؟ آخر کب تک نام نہاد دہشت گردی کی قربان گاہ پر ہم اپنے لوگوں کو قربان کرتے رہیں گے؟

جناب چیف جسٹس نے بجا طور پر یہ ریمارکس دیئے کہ جامعہ حفصہ کی عمارت کو ثبوت مٹانے کے لئے گرایا گیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس آپریشن میں از اول تا آخر ہر مرحلے میں حقائق کو چھپانے کی کوشش کی گئی۔ مولانا عبدالرشید غازی پریس کانفرنس کرنا چاہتے تھے، مگر صحافیوں کو مدرسہ میں جانے نہیں دیا گیا۔ انہیں اس سانحہ کی غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔ انہیں مدرسہ کے احاطہ ہی سے دور رکھا گیا۔ ہسپتالوں میں جہاں زخمی حالت میں لوگ پہنچے، وہاں بھی پہرہ لگا دیا گیا، تاکہ حقائق میڈیا پر نہ آسکیں۔ چنانچہ حکومت کی دی گئی رپورٹیں ہی میڈیا پر آسکیں۔ عبدالرشید غازی کی شہادت کے اگلے روز حکومت نے صحافیوں کو لال مسجد کا دورہ کرایا، مگر صرف منتخب حصوں میں انہیں جانے کی اجازت دی گئی اور جہاں لے جایا گیا، اُن جگہوں پر بھی پہلے خون کے دھبوں کو صاف کر لیا گیا۔ اس کے باوجود جگہ جگہ انسانی خون اور بکھرے ہوئے اعضاء دکھائی دیتے تھے۔ حکومت نے آپریشن میں شہید ہونے والوں کی تعداد کو بھی عوام سے مخفی رکھنے کی کوشش کی۔ حکومت اور اعلیٰ مقتدر شخصیات نے ستر اسی کے لگ بھگ شہادتوں کا اعتراف کیا، حالانکہ قوم جانتی ہے کہ شہید ہونے والوں کی اصل تعداد سینکڑوں میں ہے۔

چیف جسٹس کے یہ ریمارکس کہ ''یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ قرآن کی بے حرمتی ایک سنجیدہ معاملہ ہے۔ اس سے پوری قوم پر عذاب آسکتا ہے۔'' نہ صرف درست اور برحق ہیں بلکہ ایمانی تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔ اس میں کیا شبہ ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور یہ ملک مسلمانوں کی خاطر اور اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ یہاں کی دستور یہ نے قرار داد مقاصد منظور کر کے ریاستی سطح پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اقرار و اعلان کیا، اور اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے تابع رہتے ہوئے قانون سازی کا عہد کیا۔ قرآن پاک کی بے حرمتی کوئی بھی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ قبل ازیں ایسے واقعات امریکہ کے زیر انتظام عقوبت خانوں ابوغریب اور گوانتاناموبے میں پیش آتے تھے، وہاں قرآن حکیم کی بے حرمتی ہوئی تھی اور قیدیوں پر کتے چھوڑے گئے، برقی کرنٹ لگایا گیا، مگر یہ تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ''اسلام'' آباد میں قرآن حکیم کی بے حرمتی ہوگی، اور اُس کے مقدس اوراق گندے نالوں اور عمارت کے ملبے سے شکستہ حالت میں ملیں گے۔ یہ تصور ہی روح فرسا ہے کہ مسلمانوں کی دھرتی معصوم طالبات کے پھٹے ہوئے آنچل، جلے ہوئے جسم، سر بریدہ لاشیں اور کٹے ہوئے سر جیسے دل فگار مناظر پیش کرے گی۔ قرآن حکیم ایک انسان کے قتل ناحق کو انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے اور پھر مسلمان کا قتل (اور مسلمان بھی وہ جو کلمۃ اللہ کی سربلندی کا داعی ہو) تو اور بھی بھیانک جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندۂ مومن کی جان خانہ کعبہ سے بھی زیادہ محترم ہے۔ پھر سینکڑوں اہل ایمان کو موت کے گھاٹ اتار دینے اور قرآن حکیم اور دینی کتب کی بے حرمتی جیسے واقعات پر کیا اللہ کا غضب نہیں بھڑکے گا؟ خدانہ کرے کہ ہم کسی عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے: کفر پر سلطنتیں باقی رہ سکتی ہیں، مگر ظلم پر قائم نہیں رہ سکتیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سانحہ ہماری عدلیہ کے لیے ٹیسٹ کیس کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اس قومی سانحہ سے متعلق حقائق سامنے لا کر انصاف پر مبنی اقدامات اُٹھا لئے گئے تو یقیناً یہ قوم کے زخموں پر مرہم رکھنے کے مترادف ہوگا، اور قوم کا یقین اس بات پر اور بھی پختہ ہو جائے گا کہ فی الواقع ہماری عدلیہ آزاد ہو گئی ہے۔ چیف جسٹس کے ان جرأتمندانہ ریمارکس سے کہ ''ثبوت مٹانے والے سلاخوں کے پیچھے ہوں گے'' قوم کو بجا طور پر امید کی کرن نظر آئی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر سانحہ کے ذمہ داروں کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے تو آئندہ کوئی بھی طالع آزما اس قسم کی بے رحمانہ اور ظالمانہ کارروائی نہ کر سکے گا اور نہ ہی ایسی خونریزی کا اعادہ ہو سکے گا۔

چیف جسٹس کی یہ بات انتہائی قابل توجہ ہے کہ ''خدا کا خوف کرو، اپنی نوکری بچانے کے لئے لوگوں پر ظلم نہ کرو۔'' بلاشبہ خدا کا خوف ہی تمام خوبیوں اور بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ''حکمت کی چوٹی اللہ کا خوف ہے۔'' اللہ کا خوف اور تقویٰ دل میں موجود ہو تو انسان راستی اور مقام انسانیت پر قائم رہتا ہے، اور اگر خوف خدا نہ رہے، اُخروی محاسبے کا یقین نہ ہو، تو وہ درندۂ بے دندان و چنگ بن جاتا ہے۔ حقیر سے حقیر دنیاوی فوائد کے لئے دوسرے انسانوں کی جان، مال، عزت و آبرو کے درپے آزار ہو جاتا ہے۔ کہیں اقتدار کی حرص و ہوس، کہیں پیسے کا لالچ، کہیں شہرت کی تمنا اور کہیں جاہ طلبی اُس سے وہ وہ کام کراتی ہے کہ انسانیت شرما جاتی ہے۔ یہی اس دور کے انسان کا المیہ ہے۔

✿✿✿✿✿

آزادی کے ساٹھ سال:
ہم کہاں کھڑے ہیں؟

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 17 اگست 2007ء کے خطبۂ جمعہ کی تلخیص

[آیات قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! آج سے تین دن قبل شمسی تقویم کے اعتبار سے ہماری آزادی کو ساٹھ برس ہو گئے۔ قمری کیلنڈر کے اعتبار سے آئندہ رمضان کی 27 تاریخ کو ہم آزاد قوم کی حیثیت سے باسٹھ سال کے ہو جائیں گے۔ ساٹھ یا باسٹھ سال کا عرصہ ایک قوم کے لئے بڑا عرصہ ہے۔ دنیا میں سنجیدہ اور باوقار قومیں اس عرصے میں اپنے استحکام کی منزل طے کر لیتی اور اہداف و مقاصد حاصل کر لیتی ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تلخ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ ہم چھ دہائیاں گزر جانے کے باوجود اپنے مقاصد اور اہداف کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

حسب روایت اس بار بھی قوم نے جشن آزادی منایا۔ اگرچہ لال مسجد کے اندوہ ناک سانحے کے سبب یہ جشن کسی قدر پھیکا رہا، کہ ملک کے حساس اور باشعور شہری اس آپریشن کے نتیجے میں ہونے والی شہادتوں پر دل گرفتہ اور افسردہ تھے۔ تاہم قوم کی اکثریت بطور خاص نوجوان نسل نے، جو شعور و احساس سے یکسر عاری اور اسلام اور نظریۂ پاکستان سے بے گانہ ہے، جس انداز سے یوم آزادی منایا، اُسے دیکھ کر دنیا کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک سنجیدہ اور بیدار مغز قوم ہے۔ اخبارات کی رپورٹوں سے عیاں ہے کہ انتہائی غیر شائستہ انداز سے یہ دن منایا گیا۔ ہمارے نوجوان ہلڑ بازی کرتے رہے۔ بہت سوں نے سائیکلوں اور موٹر سائیکلوں پر ون ویلنگ کی، جس کے نتیجے میں کئی شاہراہوں پر ٹریفک جام ہوئی۔ پھر یہ کہ اس سے 6 نوجوان جان کی بازی بھی ہار گئے۔ سینکڑوں افراد زخمی ہو گئے۔ یوم آزادی سے، جسے ہم ''عہد آزادی'' بھی کہتے ہیں، قوم کی شان و شوکت کا اظہار ہونا چاہیے، مگر ہمارے اطوار سے تو یہ ظاہر ہوا کہ ہم ایک پر وقار قوم نہیں، بلکہ ایک ایسا ہجوم ہیں، جس کے افراد تہذیب و شائستگی سے عاری ہیں۔ ایسے افراد کہ جن کی نہ تو منزل ایک ہے اور نہ ہی ایک واضح نصب العین رکھتے ہیں۔ اقبال نے کہا خوب کیا تھا ؎

عید آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عید محکوماں ہجومِ مومنین

بلاشبہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر اس کا تقاضا غل غپاڑہ، ہلڑ بازی، غیر سنجیدگی کے مظاہرے اور چند رسمی اور سیاسی بیانات نہیں، بلکہ اس کا اصل تقاضا یہ ہے ہم نعمت آزادی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں۔ اس دن ہم شکرانے کے نوافل ادا کریں، اظہار تشکر کی محفلیں منعقد کریں۔ پھر یہ کہ اپنا احتساب کریں، اپنے روز و شب کا جائزہ لیں کہ آیا ہم نے قومی سطح پر اپنی ذمہ داریاں ادا کیں یا نہیں۔ اپنے طے شدہ اہداف اور بلند مقاصد کو حاصل کیا یا اُن سے پسپائی اختیار کی۔ ہم نے گزشتہ ساٹھ سالوں میں کیا کھویا اور کیا پایا۔ داخلی سطح پر کہاں کہاں اور کس کس سے کوتاہی ہوئی، اور یہ تجزیہ کرتے ہوئے ٹھوس حقائق اپنے سامنے رکھیں۔ غلط اعداد و شمار پیش کر کے قومی ترقی، خوشحالی اور بین الاقوامی سطح پر قوم کی حیثیت اور مقام کے ضمن میں جھوٹے دعوؤں سے اجتناب کریں کہ یہ دعوے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور خود فریبی کے سوا کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ہمیں اس بات کا بھی پوری دل سوزی سے جائزہ لینا چاہیے کہ خارجی سطح پر اپنی پالیسیوں کی تشکیل میں ہم نے کس حد تک اپنے اساسی نظریے، قومی امنگوں اور ملک و ملت کے مفادات کو پیش نظر رکھا، نیز بحیثیت قوم آج دنیا کی نگاہ میں ہماری حیثیت اور مقام کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں ؎

صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

وہ قوم جو ہر دور میں اپنے عمل کا احتساب کرنے کی عادی ہو' اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک شمشیر کی مانند ہے' جس کے ذریعے ربّ کائنات دنیا میں اپنی برتری اور حکمرانی کا سکہ جماتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ باطل کا قلع قمع کرنے' اُسے نیست و نابود کرنے کے لیے ایسی قوم سے کام لیتا ہے جو سچائی کی علمبردار ہو۔ ایسی قوم کا ایک اہم وصف اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے میں اپنے عمل کا حساب کرتی ہے' اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا تجزیہ کرتی ہے' اپنے حالات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اُن کی روشنی میں اپنے مستقبل کا لائحہ عمل طے کرتی ہے۔

ہماری قومیت کی اساس دین اسلام ہے۔ ہم نے یہ ہندوؤں سے الگ قومیت کی بنیاد پر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ بانیانِ پاکستان نے بجا طور پر کہا تھا کہ ہمارا مذہب، ثقافت، سماجی اقدار، رہن سہن اور طرز معاشرت الغرض کوئی بھی چیز ہندوؤں سے نہیں ملتی، لہٰذا مسلمانوں کے لئے علیحدہ خطۂ زمین ہو، جہاں وہ اپنے دین کے اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ ہم نے انفرادی سطح پر دین کو کتنا اختیار کیا اور اجتماعی سطح پر اس کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کے قیام کے لئے آیا کوئی کوششیں کیں یا اس کے مخالف سمت اپنا سفر جاری رکھا، اور نفاذ اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ اس پر سوچ بچار بہت ضروری ہے۔

ہمارے حکمرانوں، سیاستدانوں کو اپنے اندر یہ اخلاقی جرأت پیدا کرنی چاہیے کہ اپنا احتساب کریں کہ آیا انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا یا نہیں۔ علماء کرام کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنا محاسبہ کریں۔ یہ اُن کی ذمہ داری تھی اور ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے۔ بے دینی و الحاد کے سیلاب کے آگے بند باندھتے۔ مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات سے بالاتر ہو کر افراد قوم کو منکرات سے روکتے اور اُن کی تباہ کاریوں سے بچانے کی سعی کرتے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ نفاذ شریعت کے لئے ایک عوامی تحریک منظم کرتے۔ لال مسجد انتظامیہ نے نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا، تو اُن کے طریق کار کو علماء نے غلط قرار دے دیا۔ اُن کا فرض یہ ہے کہ درست طریقۂ کار اور صحیح لائحہ عمل کے لئے قوم کی فکری رہنمائی کریں، نہ صرف رہنمائی کریں، بلکہ اس طریقے کو اختیار کر کے نفاذ اسلام کے عظیم مشن کے لئے بالفعل جدوجہد کریں۔ خود احتسابی زندہ قوموں کا شعار ہے۔

بحیثیت قوم یہ بات پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہم خواہ اپنا احتساب کریں خواہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا محاسبہ ہو رہا ہے۔ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ضابطہ ہے کہ جب کسی قوم پر احسان کرتا ہے تو پھر وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ آیا وہ قوم اُس کا شکر ادا کرتی ہے یا ناشکری کرتی ہے، اُس کے ساتھ کئے گئے وعدوں کو عملی جامہ پہناتی ہے۔ یا عہد شکنی کی مرتکب ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں ذلت و غلامی کا شکار تھے۔ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، تاکہ انہیں مظالم سے نجات دلائیں، قوم نے کہا، اے موسیٰ ہم شدید اذیت سے دوچار ہیں۔ موسیٰؑ نے جواب دیا:

﴿ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف)

''(موسیٰ ؑ) کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کردے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔''

یہی بات سورۂ یونس میں بھی فرمائی گئی ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

''پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا، تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ ملک معجزانہ طور پر عطا کیا۔ انگریز اور ہندو دونوں قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ انگریز مسلمانوں کے لئے الگ، آزاد اور خودمختار ملک نہیں چاہتا تھا۔ ہندوؤں کا لیڈر گاندھی بھی کہہ رہا تھا کہ پاکستان تو میری لاش پر بن سکتا ہے۔ مسلمان جن کی تعداد کم تھی، انتہائی کمزور تھے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خطۂ زمین سے نوازا اور ایک پناہ گاہ عطا فرمائی۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر 26 کا مضمون بالکل اُن حالات کی عکاسی کرتا ہے جن حالات میں پاکستان قائم ہوا تھا۔ یہ آیت اگرچہ مہاجرین مکہ کے متعلق نازل ہوئی، تاہم تحریک پاکستان کے زمانے میں مسلمانانِ ہند کے احوال کی اس آیت کے مضمون سے عجیب مشابہت ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

''اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھتے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اُڑا (نہ) لے جائیں تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اس کا) شکر کرو۔''

ظاہر ہے ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے، وہ اپنے ہی وطن میں بے بسی اور کمزوری کا شکار تھے۔ ہندوؤں کی اکثریت تھی اور انہوں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کو اپنے قومی وجود اور تشخص کے مٹنے کا اندیشہ تھا۔ اسلام کو اس قدر شدید خطرہ لاحق تھا کہ برصغیر سے اُس کا نام و نشان مٹانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں کو دوبارہ ہندو بنانے کے لئے شدھی اور سنگھٹن جیسی انتہاپسند جنونی تحریکیں چل رہی تھیں، اور یہی وہ ذہنیت ہے، جو اب بھی ہندوستان میں مسلمانوں کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ بی جے پی کا ایک عرصہ تک یہ نعرہ رہا ہے: مسلمانوں کے دو استھان: پاکستان یا قبرستان۔ اب ظاہر ہے کہ اس ہندو ذہنیت سے اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ ان پرخطر حالات میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دلائی، اور پاکستان کی صورت میں ایک پناہ گاہ عطا فرمائی، تاکہ وہ دیکھے ہم نعمت پا کر اُس کا شکر کرتے ہیں یا کفرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور اللہ کی یہ بھی سنت ہے کہ اگر نعمت پا کر مالک کا شکر کیا جائے، تو وہ نعمت میں اضافہ کرتا ہے، اور اگر ناشکری کی جائے تو ایسے لوگوں کو عذاب سے دوچار کر دیتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ (ابراہیم)

''(تم کو آگاہ کیا کہ) اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے۔''

خود احتسابی کے حوالے سے ضروری ہے کہ ہم تین سطحوں پر اپنا جائزہ لیں۔ سب سے پہلی اور اولین سطح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہم کہاں کھڑے ہیں اور یہ جاننے کا ذریعہ قرآن و سنت ہیں۔ اگر ہم کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی نگاہ میں ہمارا کوئی مقام نہیں۔ ناشکری اور عہد شکنی کے سبب ہم اُس کے عذابات کی زد میں آ چکے ہیں۔ اِس عذاب کی کئی صورتیں اور شکلیں ہیں۔

عذاب الٰہی کی ایک صورت 1971ء میں ملک کا دولخت ہو جانا ہے۔ بساط عالم پر پاکستان وقت کی سب سے بڑی مسلمان ریاست کے طور پر معرض وجود میں آیا تھا، مگر چوبیس برس گزرنے کے باوجود جب ہم نے اسے اسلامی ریاست نہ بنایا، تو قوم صوبائی اور لسانی منافرت کا شکار ہوگئی، ہم پر خدائی عذاب کا کوڑا برسا، اور بالآخر ہمارا مشرقی بازو ہم سے جدا ہو کر بنگلہ دیش کے نام سے الگ ملک بن گیا۔ افسوس کہ ہم نے اِس عظیم سانحہ سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، اور جیسے ہی کچھ وقت گزرا، اسے بھلا بیٹھے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد اب کشمیر جسے قائداعظم نے پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا، کے معاملے میں بھی اپنے دیرینہ موقف سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ملک میں امن و امان نام کی شے موجود نہیں۔ کسی کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل نہیں۔ عدل و انصاف عنقا اور انسانی حقوق کا احترام مفقود ہے۔ اگر ہم خلافت کا عادلانہ نظام قائم کرتے تو یقیناً آج امن و چین کی زندگی بسر کر رہے ہوتے، ہمیں عدل و انصاف میسر آتا، افراد قوم کو حقوق ملتے، داخلی اور خارجی سطح پر خوف اور خطرے سے نجات ملتی۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا

پریس ریلیز 17 اگست 2007ء

''اگر ہم نے نظریۂ پاکستان سے ناتا توڑنے کی کوشش کی تو خاکم بدہن پاکستان کا وجود بھی برقرار نہ رہے گا۔''

حافظ عاکف سعید

ہماری آزادی ایک فریب سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہمارے اندرونی معاملات پر آئے روز امریکی فرمان شاہی جاری ہوتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ امریکہ نے الیکشن سے پہلے طے کرلیا ہے کہ آئندہ پاکستان کا صدر اور وزیراعظم کون ہوگا؟ ان حالات میں ہم کس آزادی اور خودمختاری کی بات کرتے ہیں؟ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں زندہ اقوام کی طرح یوم آزادی کے موقع پر اپنا احتساب کرنا چاہئے تھا کہ ہم نے جس مقصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا اس کی جانب کتنی پیش رفت کی۔ لیکن افسوس ہم نے ساٹھواں یوم آزادی بھی ہلڑبازی میں گزار دیا۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ دین سے بے وفائی کے نتیجے میں آج ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو چکے ہیں جو یہود و نصاریٰ کے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے نظریہ پاکستان اور اسلام کو ملک سے دیس نکالا دینا چاہتے ہیں۔ اسی طرح انجام سے بے خبر ہمارے بعض دانشور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا تھا۔ اگر ایسا ہے تو کیا پاکستان کرپشن کے لیے بنایا گیا تھا کہ آج اس کا شمار دنیا کے ٹاپ ٹین کرپٹ ممالک میں ہوتا ہے۔ اگر ہم نے نظریہ پاکستان سے ناتا توڑنے کی کوشش کی تو خاکم بدہن پاکستان کا وجود بھی برقرار نہ رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وقت اصلاح ہے۔ اگر ہم نے قیام پاکستان کے مقصد یعنی نفاذِ اسلام کی طرف قدم نہ بڑھایا تو جیسے 35 برس قبل پاکستان کے دولخت ہونے کی سزا ملی تھی، اب اس سے بڑی سزا کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی)

الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْـــًٔا ۭ (النور:55)

"وہ لوگ جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا اور میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے۔"

اسلام اور نظریہ پاکستان سے انحراف یوں تو ہر دور میں کیا گیا، جس کی بنا پر ایک عادلانہ اور منصفانہ معاشرہ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، لیکن گزشتہ آٹھ سالوں سے ملک پر جو بدترین 'آمریت' مسلط ہے، وہ تو سرے سے اسلام اور ملک کے اساسی نظریے کو مٹا دینے کے درپے ہے، اُس کی کوشش ہے کہ ملک کی جڑ اور بنیاد ہی کو ڈھا دیا جائے ۔

رنگِ گل کا سلیقہ ہے، نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیر حنا ٹھہری ہے

یہ بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب ہی کی ایک صورت ہے کہ ہم پر ایسی قیادت مسلط ہے جو یہود و نصاریٰ کے ایجنڈے پر کاربند ہے۔ اگر یہ لوگ فی الواقع یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے ملک کو بچایا جا سکتا ہے، تو ان سے بڑا ناداں اور احمق اور کوئی نہیں ہو سکتا......اور اگر یہ جانتے بوجھتے اُن کے منصوبوں پر عمل پیرا ہیں، تو ان سے بڑا منافق اور کوئی نہیں۔ صورت جو بھی ہو، یہ لوگ ہم پر اللہ کا عذاب ہیں کہ انہیں ہمارے معاملے میں ذرا بھی اللہ کا خوف نہیں ہے۔ یہ اپنے لوگوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرتے ہیں، اور دین اللہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے والے معصوم لوگوں کو ظالمانہ آپریشن کر کے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ ایک مسنون دُعا کے الفاظ ہیں:

"ولا تسلط علینا بذنوبنا من لا یخافک فینا ولا یرحمنا"

"اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں کی پاداش میں ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط نہ کرنا، جو ہمارے معاملے نہ تو آپ سے ڈرتے ہیں، اور نہ ہی ہم پر رحم کرتے ہیں۔"

اس دعا سے یہ بھی واضح ہے کہ قوموں پر ظالم حکمران اُن کے گناہوں کی پاداش میں مسلط کئے جاتے ہیں۔ اگر آج ہمارے اوپر ظالم حکمران مسلط ہیں، تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی نگاہ میں مجرم ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنا قبلہ درست کریں، پوری قوم توبہ کرے، اور اللہ کے دین پر چلنے کا تہیہ کرے، اگر ایسا ہو جائے تو ہم پر مسلط سیاہ رات کا خاتمہ ہو جائے گا (انشاء اللہ)

عذاب الٰہی کا ایک مظہر یہ ہے کہ ہماری قوم مرضِ نفاق کا شکار ہو چکی ہے۔ اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ اگر کوئی اُس سے کسی وعدے کے ساتھ دُعا کرے، مگر ضرورت پوری ہو جانے کے بعد اپنے عہد کو فراموش کر دے اور اُسے پورا نہ کرے تو اُسے نفاق میں مبتلا کر دیتا ہے۔

۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (التوبہ)

"ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) روگردانی کر کے پھر بیٹھے۔ تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے، اُن کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ اس لئے کہ اُنہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اُس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔"

ہم نے یہ ملک اللہ تعالیٰ سے اِس وعدے پر حاصل کیا تھا کہ اے اللہ تعالیٰ تو ہمیں ایک آزاد سرزمین عطا کر دے، تو ہم اُس میں تیرے دین کا بول بالا کریں گے۔ بانی پاکستان نے اپنی متعدد تقاریر اور بیانات میں فرمایا تھا کہ ہماری منزل ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ہے، ایک ایسی ریاست جو قرآن وسنت کے دستور پر عمل پیرا ہوگی، جہاں خلافت کا نظام پوری آب و تاب سے نافذ اور قائم ہوگا، اور وہ پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور ہوگی۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں درۂ خیبر تا راس کماری برصغیر کے مسلمانوں کی زبانوں پر جو نعرہ گونجتا تھا وہ یہ تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الا اللہ" لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم نے نفاذ اسلام کا وعدہ بھلا دیا۔ بلکہ ڈھٹائی کی حد یہ ہے کہ بعض دانشور یہ کہنے لگے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہی نہیں۔ چنانچہ اس عہد شکنی کی پاداش میں افرادِ قوم کے دلوں میں نفاق ڈال دیا گیا۔ اِس نفاق کی کئی جہتیں اور صورتیں ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں صورت اخلاق و کردار کا دیوالیہ پن ہے۔ احادیث میں نفاق کردار کی جو چار علامات بیان کی گئی ہیں، اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو وہ پوری کی پوری ہماری قوم میں موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، اور وہ اسی حال میں رہے گا، جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں: جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے، تو اُس میں خیانت کرے، اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔" (بخاری و مسلم)

یہ علامات تقریباً سبھی افراد میں پائی جاتی ہیں، بلکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ بجا طور پر فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں جو شخص جتنے بڑے منصب پر فائز ہے، اتنا ہی بڑا جھوٹا، خائن اور وعدہ خلاف ہے۔ یہ ہمارا ہی تجزیہ نہیں، بیرونی دنیا کی نگاہ میں بھی ہمارا ملک اکثر و بیشتر کرپٹ ممالک کی فہرست میں ٹاپ ٹین میں رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جھوٹ، دھوکہ، فریب، لوٹ کھسوٹ، بددیانتی اور بدعہدی ہی کا دوسرا نام کرپشن ہے۔

ہم آزادی کا جشن مناتے ہیں، لیکن ذرا یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آیا ہم صحیح معنوں میں آزاد ہیں بھی یا نہیں۔ آزاد تو وہ قومیں ہوتی ہیں جو اپنے فیصلے خود کریں، اور اِن فیصلوں میں اپنے مفادات کو پیش نظر رکھیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم امریکہ کے بے دام غلام ہیں۔ امریکہ سے احکامات آتے ہیں اور ہمارے حکمرانوں کے ذریعے یہاں نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ حال ہی میں رچرڈ باؤچر "تشریف" لائے ہیں اور یہ مطالبہ کر آئے ہیں کہ 'اور کرو' طالبان کے خلاف مزید کارروائیاں کرو۔ ہمارے دشمن تمہارے قبائلی علاقوں میں چھپے ہیں۔ ابھی تک تو تم نے "القاعدہ" کے خلاف ہماری مدد کی تھی، اب طالبان کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھو......اور اس کے ساتھ امریکہ کی طرف سے بازو مروڑنے کا کام بھی جاری ہے۔ چنانچہ امریکن انٹیلی جنس کی تازہ رپورٹ میں صدر مشرف پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ طالبان کو سپورٹ کر رہے ہیں، انہیں اسلحہ فراہم کر رہے ہیں۔ رپورٹ کا مقصد واضح ہے کہ مشرف پر مزید دباؤ ڈالا جائے۔ یہی نہیں ہمارے دیگر ملکی معاملات میں بھی امریکہ کی مداخلت خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے آئندہ انتخابات کے حوالے سے وہاں سے بیانات جاری ہوتے ہیں۔ اور ان انتخابات کے نتائج کے فیصلے بھی وہیں ہو رہے ہیں۔ کون صدر ہوگا، اور کون وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوگا، اب یہ بھی امریکہ طے کرتا ہے۔ نیویارک ٹائم کی رپورٹ ہے کہ امریکہ نے مشرف کو صدر اور بے نظیر بھٹو کو وزیر اعظم بنانے کا فارمولا طے کر لیا ہے۔ گویا اب الیکشن اگر ہوں گے تو عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ہوں گے۔ عوام بے وقوف بن کر ووٹ ڈالنے جائیں گے۔ ووٹ کاسٹ کر کے، وہ اپنے تئیں یہ سمجھیں گے ہم نے اپنے ووٹوں سے حکومت منتخب کی ہے۔ حالانکہ ہمارے مستقبل کے حکمرانوں کے فیصلے پہلے ہی کر لئے گئے ہیں۔ کیا یہ تلخ حقائق نہیں؟ کیا آزادی اسی کو کہتے ہیں؟ کیا خود مختار قوموں کے یہی اطوار ہوتے ہیں؟ ہمارے لوگ جمہوریت کی رٹ لگا رہے ہیں۔ خدارا! پہلے آزاد قوم تو بنیئے، اپنے آپ کو امریکہ کے چنگل سے تو نجات دلایئے۔ اگر ہمارے فیصلے باہر ہوں، ہمیں حملے کی دھمکیاں دی جا رہی ہوں اور ہمارے حکمران امریکہ کے وائسرائے بنے ہوں، تو پھر کون سی آزادی اور کون سی خود مختاری ہے، جس کا ہم جشن منا رہے ہیں۔

(مرتب: محبوب الحق عاجز)

اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے حادثۂ فاجعہ کے پس منظر میں

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعت اسلامی کے نفاذ کا صحیح طریق کار

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ

بانیٔ تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ادارۂ نوائے وقت کی دعوت پر 17 جولائی 2007ء کو مندرجہ بالا موضوع پر ''ایوان وقت'' میں خطاب فرمایا تھا، جسے نوائے وقت ہی کی فرمائش پر شعبۂ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی کے کارکن وسیم احمد نے ٹیپ سے اتار کر اور قدرے تلخیص کر کے اخبار کو ارسال کرایا تھا جو نوائے وقت کے 27 جولائی کے ملی ایڈیشن میں شائع ہو گیا..... اس پر جماعت الدعوۃ اور مرکز طیبہ کے مولانا ابو عبداللہ نے مفصل تنقید کی جو 10 اگست کے نوائے وقت میں شائع ہو گئی..... اس میں جو دس نکات اٹھائے گئے تھے ان کا ایک سلسلہ وار مفصل جواب ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرما کر ادارہ نوائے وقت کو ارسال کیا جو اگرچہ جمعہ 17 اگست کے ملی ایڈیشن میں شائع تو ہو گیا لیکن اختصار کے لئے اس کے بعض اہم حصے حذف کر دیئے گئے..... اب ذیل میں یہ تینوں چیزیں من و عن افادۂ عام کے لئے شائع کی جا رہی ہیں۔ (شعبہ نشر و اشاعت)

تلاوت آیات و احادیث کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وطن عزیز پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد میں حال ہی میں جو نہایت خونچکاں واقعہ پیش آیا، پوری ملت اسلامیہ پاکستان اس کی بناء پر سوگوار ہے۔ اس واقعہ سے بہت سے لوگوں کو شدید صدمہ ہوا، جو گریہ زاری تک پہنچ گیا ہے۔ ان حالات میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حادثہ کیوں پیش آیا۔ اس کا پس منظر کیا ہے؟ جو کچھ لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں ہو رہا تھا، دینی جماعتوں نے اس کے ساتھ تعاون کیوں نہیں کیا؟ یہاں تک کہ مدارس دینیہ اور سب سے آگے بڑھ کر وفاق المدارس جس سے جامعہ حفصہؓ کا الحاق تھا اس نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ اعلانِ براءت یا اعلانِ بیزاری کیا، ان کی رکنیت خارج کی۔ اس کا سبب کیا ہے، جبکہ دین کی بات ہو رہی تھی، شریعت کے نفاذ کا مطالبہ ہو رہا تھا' منکرات کے استحصال کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے تھے۔ بظاہر تو یہ ساری باتیں بہت ہی اچھی اور عمدہ تھیں۔ مطلوب اور مقصود تھیں' تو پھر سبب کیا ہے؟ پھر یہ بھی سوچنا ہو گا کہ اس واقعہ کے پیچھے اصل محرک کیا ہے؟ پھر یہ دیکھنا ہو گا کہ اب اس کے عواقب کیا ہیں۔ نتائج کیا نکلیں گے اور آخر میں یہ کہ اس ضمن میں لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے؟

سب سے پہلے میں اس واقعہ کا پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ہم پر دو ڈھائی سو سال ایسے گزرے ہیں کہ مسلمان ممالک یورپی ممالک کے غلام ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے اس عرصہ میں تو ہم مجبور تھے، مفتوح تھے۔ ہم پر دوسری قومیں حاکم تھیں' لہٰذا انہوں نے جو چاہا نظام بنایا' جو چاہا قانون نافذ کیا کہ ہم پر ان کا اختیار تھا۔ لیکن جیسے ہی پچھلی صدی کے تقریباً وسط کے آس پاس اس نو آبادیاتی نظام کا بستر تہہ ہونا شروع ہوا اور مسلمان ممالک ایک ایک کر کے آزاد ہونے شروع ہوئے تو عوامی سطح پر ایک جذبہ اُبھرا، جیسے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو اسے یاد آتا ہے کہ کوئی خواب اس نے دیکھا تھا۔ تو ہم جب بیدار ہوئے تو ہمیں محسوس ہوا کہ ہمارا ایک نظام ہوتا تھا۔ ایک زمانہ تھا کہ اس دنیا کے بہت بڑے رقبے پر ہمارا دبدبہ تھا۔ ہماری' سطوت' شوکت اور ہمارا نظام تھا، اور ہمارے قوانین تھے۔ ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو والی خواہش اور جذبہ پیدا ہوا۔ اس خواہش اور جذبے نے پورے عالم اسلام میں کچھ تحریکوں کی شکل اختیار کی۔ اور یہ تحریکیں بیک وقت اُبھریں۔ حالانکہ ان کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ کوئی ایسا مرکزی نظام اور مرکزی تنظیم نہیں تھی جو ان سب کو فیڈ کر اور لیڈ کر رہی ہو۔ انڈونیشیا میں مسجومی پارٹی، ایران میں فدائین، ترکی میں سعید نورسی کی تحریک، اور ان کے علاوہ پاک و ہند جو اس وقت کا متحدہ ہندوستان تھا، میں متعدد تحریکیں اُٹھیں۔ سب سے پہلے مولانا ابوالکلام آزاد میدان میں آئے۔ 1913ء میں انہوں نے حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگایا۔ یعنی یہ زمین اللہ کی ہے، یہاں اللہ کی حکومت ہونی چاہیے۔ اور انہوں نے حزب اللہ کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ اگرچہ یہ جماعت صرف سات برس قائم رہ سکی۔ مولانا آزاد کو توقع تھی کہ علماء کرام ان کا ساتھ دیں گے۔ اور تعاون کریں گے لیکن بالعموم علماء نے انھیں قبول نہیں کیا۔ حالانکہ وقت کے ایک بہت بڑے شیخ حضرت شیخ الہندؒ کی پشت پناہی انھیں حاصل تھی۔ 1920ء میں مایوس ہو کر انہوں نے اس جماعت کی بساط لپیٹ دی۔ پھر خیری برادران نے جماعت المسلمین قائم کی۔ وہ جرمنی میں پڑھ کر آئے تھے اور وہاں سے انہوں نے ہٹلر کی نازی پارٹی کے طریقہ کار کا مشاہدہ کیا تھا، تو اسی انداز میں انہوں نے سمجھا کہ یہاں بھی ایک اسلامی جماعت قائم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح علی گڑھ میں جماعت مجاہدین قائم ہوئی۔ پھر علامہ مشرقی کی تحریک تو بہت بڑی تحریک تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تحریک نے ایک دفعہ پورے ہندوستان کی زمین کو دہلا دیا تھا۔ پھر یہ کہ 1930ء تک مسلم لیگ صرف ایک Negative ایلیمنٹ کے تحت چل رہی تھی اور وہ تھا ہندو کا خوف۔ اس کی جدوجہد کا ہدف یہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کے مابین کوئی فارمولا طے ہو جائے کہ آزادی کے بعد مسلمان مطمئن ہوں کہ ان کے حقوق محفوظ رہیں گے۔ بہرحال 1930ء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں احیائے اسلام کا Positive تصور پیش کیا۔ 1940ء میں جماعت اسلامی ہند میدان میں آئی اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا نعرہ لگایا۔ یہ جماعتیں ذرا ذرا سے فرق کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر ایک تشخص رکھنے والی جماعتیں اور تحریکیں تھیں' برعظیم پاک و ہند کو عالم اسلام کا جو عجمی (غیر عربی) حصہ ہے' اس کے امام کی حیثیت حاصل تھی۔ عالم عرب کا ثقافتی امام مصر تھا۔ مصر سے بھی اس وقت ایک عظیم تحریک الاخوان المسلمون اُٹھی۔ یہ بہت بڑی تحریک تھی۔ ایک مرتبہ میرے طالبعلمی کے زمانے میں مولانا مودودیؒ نے یہ بات بتائی تھی کہ یوں سمجھو کہ ہندوستان میں جو مختلف مکاتب فکر مختلف جماعتوں کی شکل میں منظم ہوئے' وہاں یہ سب کے سب جمع ہو کر الاخوان المسلمون کی شکل میں سامنے آ گئے۔ اس کے بعد ایک اور جماعت حزب التحریر کے نام سے قائم ہوئی۔ بہرحال یہ تحریکیں ہیں کہ جو اس عرصے میں شروع

ہوئیں اور ان تحریکوں کا ایک ہی مقصد' ایک ہی خیال' ایک ہی نظریہ اور ایک ہی تصور تھا۔ بقول نعیم صدیقی مرحوم ؎

ہے ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم
ہے ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدھم

ان تحریکوں کا ایک ہی نظریہ اور ایک ہی فکر تھی کہ اسلام ایک نظام حیات ہے اور مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اسے قائم و نافذ ہونا چاہیے۔ لیکن افسوس' صد افسوس' ان تحریکوں میں سے کسی کو بھی کہیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

یہاں دو باتیں نوٹ کر لیجیے۔ ان تحریکوں کا خلوص و اخلاص اور جوش و جذبہ اپنی جگہ ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کم و بیش کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ الاخوان المسلمون میں جوش و جذبہ بے پناہ تھا۔ البتہ فکری اعتبار سے برعظیم پاک و ہند کی جماعتِ اسلامی کا پلڑا بھاری تھا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا ایک ہی نغمہ کہیں اونچا کہیں مدھم' اور تھا ایک ہی جذبہ کہیں واضح کہیں مبہم۔ پھر ان کا ہدف بھی ٹھیک اور صد فیصد درست تھا۔ لیکن ان تحریکوں نے جہاں مار کھائی، وہ تھا طریقہ کار۔ طریقہ کار کے ضمن میں انہوں نے یہ خیال کیا کہ دنیا میں جو Contemprary چیزیں چل رہی ہیں، اسی راستے سے چل کر ہم کامیاب ہو جائیں گے، اور یہی بہت بڑی غلطی تھی۔ کسی انسانی جدوجہد کے ذریعے اسلام کا ایک نظام اور ریاست کی حیثیت سے قائم ہونے کا معاملہ تاریخ میں صرف ایک مرتبہ ہوا اور وہ حضورؐ کے دستِ مبارک سے ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے نہیں ہوا' حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں سے نہیں ہوا' بلکہ صرف حضورؐ کے دست مبارک سے ہوا۔ یہ واقعہ ایک مرتبہ ہوا ہے اور ایک مرتبہ اور ہونا ہے' اور گلوبل ہونا ہے پوری دنیا میں۔ اس کی خبریں دی ہیں محمد رسول اللہؐ نے۔ لیکن اس کے لیے طریقہ کار بالکل وہی ہونا چاہیے جو حضورؐ کا تھا۔ تب کامیابی ہوگی' ورنہ نہیں۔ اس سے ذرا سا بھی انحراف ہو جائے گا تو خلوص و اخلاص اور جوش و جذبہ اپنی جگہ' مقاصد اپنی جگہ مگر ان سب کا معاملہ اور تعلق جزائے اخروی سے ہے اس کی بنیاد پر دنیا میں چاہے ناکام ہو جائیں لیکن آخرت میں اس کی جزا اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے لیکن جہاں تک دنیا میں کامیابی کا تعلق ہے اس کے ضمن میں نبوی طریقہ کار کی پیروی انتہائی اہم ہے، ورنہ ہم ڈور کو سلجھاتے رہیں گے اور ہمیں سرا نہیں ملے گا۔

بظاہر یہ بات بڑی آسان لگتی ہے کہ الیکشن میں حصہ لو۔ اسلام کے نام پر لوگ ووٹ دیں گے۔ اگر ہم اکثریت میں آ گئے تو ہم نظام قائم کر دیں گے! Very Simple۔ لیکن الیکشن میں Power Basis ہوتے ہیں، معاشرے میں اسی کی بنیاد پر ووٹ ملتے ہیں۔ جاگیرداری ہے تو جاگیرداروں کو ووٹ ملیں گے۔ سرمایہ داری ہے تو سرمایہ داروں کو ووٹ ملیں گے۔ برادری سسٹم ہے تو برادری کی بنیاد پر ووٹ ملے گا۔ الّا یہ کہ لوگوں کی عظیم اکثریت کے ذہن تبدیل ہو چکے ہوں، ان کے دل تبدیل ہو چکے ہوں۔ وہ ان تمام بندھنوں سے آزاد ہو کر صرف اسلام کے لیے ووٹ دینے کے لیے تیار ہوں۔ اُس کی اُمید کی گئی لیکن یہ اُمید صحیح ثابت نہ ہوئی۔ ایک اور بڑی تحریک ہمارے ہاں اُبھری اور غالباً اس کے اجتماعات تو تاریخی اعتبار سے عظیم ترین ہوتے ہیں۔ انہوں نے مذہبی اقدار کے احیاء کا کام تو کیا ہے۔ عبادات سے شغف' وضع قطع کے اندر اسلامی رنگ اختیار کرنا۔ لیکن نظام بدلنے کا اور اسلامی ریاست قائم کرنے کا کوئی تصور بھی ان کے ہاں موجود نہیں۔ بہت ہی سادہ فارمولا وہ دیتے ہیں کہ جب سب لوگ ٹھیک ہو جائیں گے تو نظام بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ حالانکہ سب لوگ تو کبھی دنیا میں آج تک ٹھیک ہوئے ہی نہیں۔ حضورؐ کے زمانے میں بھی سب لوگ ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔ ویسے اگر صرف دعوت و تبلیغ سے یہ نظام قائم ہو سکتا تو محمد رسول اللہ ﷺ کبھی بھی تلوار ہاتھ میں نہ لیتے۔ اور کسی مسلمان کا خون تو بہت دور کی بات ہے کسی کافر کا خون بہانا بھی گوارا نہ کرتے۔ بقول شاعر ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

دعوت و تبلیغ سے سلیم الفطرت لوگ تو کھنچ کر آ جاتے ہیں، لیکن جن کے مفادات ہوتے ہیں، بگڑے تگڑے لوگ، وہ تو ہر حال میں راستہ روکتے ہیں۔ ولو کرہ المشرکون اور ولو کرہ الکافرون قرآن میں کیوں بار بار آ رہا ہے۔ انھیں تو ناگوار ہے۔ وہ تو چاہتے ہیں ہمارا نظام برقرار رہے۔ quo Status قائم رہے۔ ہمارے مفادات برقرار رہیں۔ اس حوالے سے یہ دوسرا راستہ بھی اصل میں ایک سراب ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اگر ہو سکتا تو حضورؐ کے دست مبارک سے' بغیر خون کا ایک قطرہ گرائے انقلاب برپا ہو جاتا لیکن نہیں ہوا۔ وہاں سینکڑوں صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا۔ خود حضور ﷺ کا خون دو مرتبہ گرا ہے' چنانچہ طائف کی مٹی میں بھی جذب ہوا ہے اور دامنِ اُحد میں تو ندی کی مانند بہا ہے تو ظاہر ہے کہ قربانیاں دیے اور خون دیے بغیر اس کام کا ہونا ناممکن ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ اُمت کے قافلے اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں۔ گویا ؎

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لیے!

اس میں ایک Phenomenon کا حال ہی میں اضافہ ہوا۔ آج سے کوئی پچیس تیس سال قبل افغانستان میں مسلح جہاد کا معاملہ شروع ہوا۔ افغانستان میں روسی فوج آئی تو افغان قوم کھڑی ہو گئی۔ ان کے اندر جذبۂ حریت ہے اور اتنا طاقتور ہے کہ وہ غلام رہنا جانتے ہی نہیں۔ امریکہ نے دیکھا کہ یہ گولڈن چانس ہے۔ اس قوم میں جان ہے اور یہ جان دینے کو تیار ہے۔ انہیں استعمال کیا جائے' جانیں ان کی جائیں۔ پیسہ دو' اسلحہ دو' سامان دو' اور ویت نام کی جنگ کا بدلہ چکا لو اور دنیا میں اپنے مدمقابل نظام کو تہس نہس کر دو۔ لہٰذا امریکہ کی مدد سے وہ جہاد چلا۔ اب یہاں دو چیزیں ذہن میں رکھیے۔ ایک ہے افغانوں کا اخلاص جو وہاں کھڑے ہو گئے تھے اور بغیر اسلحہ کے کھڑے ہو گئے تھے۔ اور شروع میں انھیں کوئی قیمتاً بھی اسلحہ فروخت کرنے کو تیار نہیں تھا۔ لیکن جب امریکہ نے دیکھا کہ یہ ایک موقع ہے تو ظاہر ہے کہ اب امریکہ کی اسکیم اپنی جگہ اور افغانوں کا خلوص و اخلاص اپنی جگہ۔ ان دونوں کو گڈ مڈ مت کیجیے' لیکن کامیابی میں بہرحال ہتھیاروں کا دخل تھا۔ اگر سٹنگر میزائل نہ آتا تو روس وہاں سے اتنی آسانی سے بھاگنے والا نہیں تھا۔ اس دور میں امریکہ نے دنیا میں جہاد فی سبیل اللہ کا نعرہ خوب لگوایا۔ یہ اسامہ بن لادن' عمر عبدالرحمٰن (جو اس وقت امریکہ کی قید میں ہیں) اور عبداللہ عزام جو پشاور میں شہید ہو گئے تھے، یہ تینوں کون تھے۔ یہ تمام عرب ممالک سے جہادیوں کو لے کر آ رہے تھے۔ لیکن یہ امریکہ کی گرینڈ اسکیم تھی۔ اور یہ لوگ امریکہ کے آلۂ کار بن گئے۔ کہاں کہاں سے لوگ آئے ہیں۔ آپ سوچیے' سعودی عرب سے' جہاں دولت کی ریل پیل ہے' ہر طرح کا عیش میسر ہے' وہاں سے نوجوان آئے اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جانیں دیں' سختیاں جھیلیں۔ اس وقت حکومت پاکستان اور اس کی ایجنسیوں نے یہ سوچا کہ اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو لو یعنی کشمیر کا مسئلہ بھی اسی رواروی میں نمٹا لو۔ یہ افغان جہاد کا فال آؤٹ تھا کہ کشمیر میں مسلح جہاد شروع ہوا۔ یہ بھول گئے کہ یہاں تو امریکہ پشت پر تھا وہاں کون ہے؟

یہ اس جہادی کلچر کا ایک نمونہ ہے جو پاکستان کے مرکز اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ میں سامنے آیا ہے۔ اب اس ضمن میں' میں یہ بتاتا چلوں کہ حضورؐ کا طریقہ کار یہ تھا کہ جس کے حوالے سے ہمیں جتنے بھی طریقہ کار ہیں ان کو Asses کرنا ہوگا کہ کہاں غلطی ہو رہی ہے۔ دیکھیے حضور ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ سب سے پہلے دلوں میں ایمان پیدا کرو' یقین والا ایمان' یہاں ہم نے دھوکہ کھایا ہے۔ ہم نے یہ سمجھا کہ ہم مسلمان ہیں تو ایمان تو ہے۔ بس یہی غلطی سب سے بڑی غلطی ہے۔ وہ یقین والا ایمان کہاں ہے۔ ایک عقیدہ کا ایمان تو ہے وہ تو پیدائشی طور پر ہم مسلمان ہیں' لیکن دلوں میں جھانکیں تو ہماری حالت اُس سے مختلف نہیں ہے۔ جو سورۃ الحجرات کی آیت 14 میں بیان کی گئی ہے۔ (ترجمہ) ''یہ بدو کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ! ان سے کہیے کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے ہو۔ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ تو دلوں میں جھانکیے، یقین والا ایمان ہے۔ کیا یقین ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور اپنے اعمال کا جائزہ

لیجیے۔ اپنی بھاگ دوڑ کو دیکھ لیجیے۔ کتنی بھاگ دوڑ آخرت کے لیے اور کتنی دنیا کے لیے ہو رہی ہے۔ پہلا کام دلوں میں یقین والا ایمان پیدا کرنا ہے اور وہ قرآن کے ذریعے سے ممکن ہے۔ ''اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا''۔ اگر وہ یقین والا ایمان نہیں تو پہلے اسے پیدا کیجیے جو لوگ صاحب ایمان بن جائیں اور ایمان واقعتاً ان کے دلوں میں گھر کر جائے، انہیں منظم کیا جائے۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ثبوت ہوگا کہ ایمان واقعی دلوں میں گھر کر گیا ہے۔ اس کا ثبوت ہوگا شریعت کی پابندی۔ شریعت کے بعض احکام تو وہ ہیں جن پر ہم اس وقت تک عمل نہیں کر سکتے' جب تک کہ نظام نہ بدل جائے اور حکومت نہ تبدیل ہو جائے۔ ہم چور کا ہاتھ نہیں کاٹ سکتے، سود سے بالکلیہ آزاد ہونا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں ہے، کہ ساری معیشت ہماری سود پر ہے۔ لیکن ایسے شرعی احکامات جن پر عمل ممکن ہے خواہ یہ کتنا ہی مشکل ہو، اگر ان کی پیروی نہ کریں تو ہم مجرم ہیں۔ ایسے سلیم الفطرت اصحاب جن کی معاش اور معاشرت حرام سے پاک ہو، ان کو منظم کیا جائے۔ جماعت سازی کے لیے مسنون طریقہ بیعت کا ہے۔ حضورؐ نے بیعت لی حالانکہ آپؐ تو اللہ کے رسول تھے۔ آپؐ کی اطاعت تو کرنی ہی کرنی تھی۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا: میرے ساتھ عہد کرو' جو حکم دوں گا مانو گے۔ چاہے مشکل ہو یا آسان ہو۔ چاہے طبیعتیں آمادہ ہوں، چاہے اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے۔ چاہے میں تم پر دوسروں کو ترجیح دوں اور جس کو بھی میں امیر بناؤں' اس سے جھگڑو گے نہیں' اس کی اطاعت کرو گے۔ ہاں اپنی رائے ضرور ظاہر کرو گے' جہاں بھی کہیں ہو گے، بولنے پر پابندی نہیں ہوگی۔ یہ میں نے ایک متفق علیہ حدیث کا ترجمہ پیش کیا ہے جو حضرت عبادہ ابن صامت ؓ سے مروی ہے۔ یہ دوسرا مرحلہ مشکل ترین مرحلہ ہے۔ ع ''منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں'' اسی لیے زور دے دے کر کہا گیا علیکم بالجماعۃ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: لا اسلام الا بالجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامارۃ ولا امارۃ الا بالطاعۃ تیسرا مرحلہ ہے تزکیہ۔ اب ایسی تربیت ہو کہ دل کے اندر کوئی اور امنگ' کوئی اور ارادہ کوئی اور مقصد باقی نہ رہے سوائے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے۔ یہی وہ کمزوری تھی ان مجاہدین میں جو افغانستان میں لڑ رہے تھے۔ حکمت یار کہتا تھا کہ میں حکومت بناؤں گا۔ اسی طرح احمد شاہ کہتا تھا کہ حکومت میری ہوگی۔ آپس میں اقتدار کی چپقلش نے اس جہاد کو فساد میں تبدیل کر دیا۔ جب تک یہ بات دلوں سے نہیں نکلتی ظاہر بات ہے کہ کہیں نہ کہیں ٹھوکر کھائیں گے۔ نفس اڑنگا لگاتا ہے' اور آپ کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ چوتھا مرحلہ تھا Passive Resistance کا جو کہ مکہ مکرمہ کے دور کے بارہ برس تک مسلسل جاری رہا۔ یعنی یہ کہ چاہے تمہیں زندہ جلا دیں تم نے ہاتھ نہیں اُٹھانا۔

"No raising of hands even in self defence"

ان چار مراحل کے بعد اگر معتد بہ تعداد میں ایسے لوگ جمع ہو جائیں جو یہ تین شرطیں پوری کر رہے ہوں۔ اپنے اوپر شریعت نافذ' نظم کے پابند اور مقصود صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی' تو پھر اقدام کیا جائے۔ وہ اقدام حضورؐ کی سیرت مبارکہ سے قتال فی سبیل اللہ کی صورت میں ثابت ہے' اور آج بھی باطل کے خلاف مسلح جدوجہد حرام نہیں ہے۔

یہ غلام احمد قادیانی نے کہا تھا کہ ''دین کے لیے حرام ہے اب دوستو قتال'' ہرگز نہیں' قتال فی سبیل اللہ' جہاد فی سبیل اللہ ان میں سے کوئی شے ممنوع نہیں۔ البتہ اس کے لیے شرائط ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے پہلے دن سے قتال شروع نہیں کر دیا تھا۔ آج کے دور میں قتال کا معاملہ خصوصاً مسلمان ملکوں میں جہاں Nation States بنی ہوئی ہیں مشکل ہے۔ اب نیشن سٹیٹ کے اندر حکومت ہے' ایئر فورس ہے' ٹینک ہیں' ہیلی کاپٹرز ہیں۔ حکومت کے پاس کیا نہیں ہے، جبکہ عوام تقریباً نہتے ہیں۔ تو موجودہ حالات میں حکومتوں سے مقابلہ ممکن نہیں ہے، تاہم میں قتال کو حرام نہیں کہہ رہا۔ البتہ اس کا متبادل ہے، ایک عوامی تحریک' عوامی مطالباتی تحریک ایک سیلاب کی مانند' لیکن منظم' پُر امن کوئی توڑ پھوڑ نہ ہو۔ یہ منظم پُر امن تحریک سیلاب کی مانند حکومت کو بہا کر لے جا سکتی ہے۔ شروع میں حکومت کے کہنے پر فوج گولیاں چلائے گی۔ 1977ء میں یہاں لاہور میں بھی گولیاں چلی تھیں' لیکن پھر بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل کھڑے ہو گئے کہ اب ہم فائر نہیں کریں گے۔ کچھ جانوں کی قربانی تو دینا پڑے گی۔ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے نکلے ہوں اور جان دینے کے لیے تیار نہ ہوں' یہ تو انہونی بات ہے۔ وہاں تو خود حضورﷺ کی خواہش یہ رہی ہے کہ ''میری بڑی تمنا ہے میں اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں' پھر زندہ ہو جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔'' گویا ع

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

لہٰذا آج کے دور میں نفاذِ دین کے آخری مرحلے میں جانیں لینے نہیں جانیں دینے کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

یہ ہے وہ طریقہ کار جو موجودہ حالات میں ممکن ہے۔ اس طریقہ کار سے ہٹ کر کامیابی ممکن نظر نہیں آتی۔ اب لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ والے عبدالرشید اور عبدالعزیز برادران نے کوئی ملک گیر جماعت نہیں بنائی۔ اس کے کوئی Ranks سامنے نہیں آئے۔ ان کی دعوت کیا تھی۔ کس طور سے تھی، پتا نہیں۔ ایک چھوٹی سی جگہ پر ان کی ایک خاص حیثیت بن گئی تھی' کیونکہ ان کے والد محترم مولانا عبداللہ شہید وہاں پر بہت عرصے تک رہے، جو بڑے جری اور باہمت انسان تھے۔ ان کی وراثت میں ان کو وہ جگہ بھی ملی اور انہیں سپورٹ بھی ملی۔ ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں پوری سپورٹ ملی۔ اعجاز الحق صاحب سے تو ان کے دوستانہ اور گھریلو قسم کے مراسم تھے۔ سب کچھ ہو گیا لیکن اس سے وہ طریقہ تو پورا نہیں ہوتا جس کی بناء پر ایسا اقدام کر لیا جائے۔ اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ جہاں کروڑوں کی آبادی ہو وہاں کم از کم لاکھوں کی تعداد میں وہ لوگ ہونے چاہئیں جو منظم ہوں اور وہی تین چار شرطیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں' پوری ہوں' یعنی ایک شخص سے بیعت سمع و اطاعت ہو۔ اس کے حکم پر حرکت کریں اور جب حکم دیا جائے رک جائیں اور یہ کہ کوئی اور مقصد سامنے نہ رہے' سوائے ''شہادت ہے مقصود و مطلوب مؤمن۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی''۔ یہ شرطیں پوری کرنے والے لاکھوں افراد پر مشتمل جب تک کہ کوئی جماعت نہ بنے تو ظاہر ہے کہ اس کے بغیر کوئی اقدام کر کے قانون اپنے ہاتھ میں لے لینا، اپنی عدالت بنا لینا، لوگوں کو اغوا کروا کے اور پھر ان سے توبہ کروانا اور ان عورتوں پر برقع اڑھا کر پھر مسجد سے رخصت کرنا۔ یہ نہی عن المنکر ضرور ہے لیکن نفاذِ دین کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کسی دینی جماعت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ ہم بھی ان میں شامل ہیں۔ ہم نے یہ تو کہا کہ مقاصد ان کے صحیح' مطالبات ان کے صحیح' نیتیں ان کی صحیح' جذبہ ان کا صحیح' لیکن طریقہ کار صحیح نہیں ہے۔

دوسری طرف حکومت یعنی صدر مشرف نے انتہائی بدنیتی اور پوری طرح سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس معاملے کو آگے بڑھایا۔ اس میں کسی شک وشبہ کی میرے نزدیک گنجائش نہیں' چھوٹا سا معاملہ تھا سادہ سی بات تھی۔ جسم پر کہیں پھنسی نکل آئے۔ آپ دو دن کوئی اینٹی بایوٹک لے لیں وہ بیٹھ جائے گی۔ انہوں نے پھوڑے کو پکایا اور بڑھایا، ایک بہت بڑا Phenomenon بنایا۔ پھر اس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا، تاکہ دنیا میں مذہبی ''شدت پسندی'' کی جنگ میں ایک بہت بڑے ہیرو کی حیثیت سے سامنے آ جائیں۔ اندرون ملک ان کے اقتدار کی نیا ڈول چکی تھی۔ چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس والا معاملہ اور اس کے ردعمل کے طور پر حکومت کی اتحادی جماعت MQM نے کراچی میں قتل عام کیا۔ پھر لندن میں APC والا معاملہ بھی تھا۔ ان سب واقعات کی وجہ سے مشرف پرویز بوکھلا سے گئے تھے۔ ان حالات میں انہیں سپورٹ کی شدید ضرورت تھی۔ اور اس کے لیے یہ دکھانا ضروری تھا کہ دیکھو یہ مذہبی انتہا پسندی ہے، اس ملک کے مرکز تک پہنچ چکی ہے اور صرف میں ہوں کہ اس کو کرش کر سکتا ہوں۔ کوئی بھی سیاسی حکومت اس سے نبرد آزما نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے وہ چیز ہے جس کا کہ مشرف بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ اور جو اس کا مقصد تھا اس نے حاصل کیا

لیا۔امریکہ سے شاباش آ گئی۔ سب سے پہلے برطانیہ سے شاباش آ گئی تھی اور معاملہ ایسا ہے کہ اس میں چین سے بھی شاباش آئی ہے۔ ورنہ (اگر یہ آپریشن نہ ہوتا تو) کچھ ایسے ''دفیلرز'' آ رہے تھے کہ باہر والے بھی اب کچھ مایوس ہو رہے ہیں۔لیکن اس تازہ کارنامے کے بعد وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مشرف کو یہاں پر ہی رہنا چاہیے۔اس کے ساتھ بے نظیر جڑ جائے' کوئی اور جڑ جائے اور بے نظیر کا معاملہ تو صاف نظر آ رہا ہے کہ اس کی ڈیل ہو گئی ہے۔ اس کا ایک مقدمہ تو واپس لیا جا چکا ہے۔ حکومت کے اس اقدام کی الطاف حسین اور بے نظیر دونوں نے تائید کی ہے اور خوشی کا اظہار کیا ہے۔ یہاں پر دراصل ایک جوا کھیلا جا رہا ہے۔ وہ یہ کہ سیکولر پارٹیز کو جمع کر کے ان کی حکومت یہاں پر بنوادی جائے تاکہ مساجد و مدارس پر ان کے قول کے مطابق انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے کریک ڈاؤن کیا جا سکے۔حکومت کو یہ جان لینا چاہیے کہ مساجد مدارس پر ایسے کسی بھی قسم کے کریک ڈاؤن کا شدید ردِعمل ہوگا اور یہ ردِعمل جاری رہے گا۔ اس کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو خدانخواستہ ملک میں خانہ جنگی کی سی صورت پیدا کر دے گا۔ اس سارے واقعے کی سپریم کورٹ آف پاکستان کے ذریعے اعلیٰ سطحی عدالتی تحقیقات ہونی چاہیے۔ اس کی رپورٹ منظرِعام پر آئے اور مجرم قرار پانے والوں پر مقدمات قائم کیے جائیں۔ کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام آباد میں آرمی ایکشن جسے ''آپریشن سائلنس'' کا نام دیا گیا اس کا کوئی ردِعمل نہیں ہوگا میرے خیال میں کم از کم صوبہ سرحد میں اس کا شدید ردِعمل ہوگا۔ کیونکہ اسلام کے بنیادی شعائر اس علاقے کے کلچر کا جزو ہیں۔ آپ انہیں کھینچ کر نہیں نکال سکتے دورِ صحابہ کے بعد عظیم ترین جہادی تحریکیں اس علاقے سے اُٹھیں۔ تحریک شہیدین جیسی عظیم تحریک اور حال ہی میں صوفی محمد صاحب کی تحریک اسی علاقے سے اُٹھی۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ نے اپنی ایک کتاب میں ایک عظیم مصری دانشور اور ادیب شکیب ارسلان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''کوہِ ہندوکش اور کوہ ہمالیہ کے مابین تکون میں جو قوم آباد ہے پوری دنیا کے مسلمانوں میں اگر اسلام ختم ہو جائے تب بھی اس علاقے میں ختم نہیں ہوگا، یہاں اس کی نبضیں چلتی رہیں گی''۔ مجھے اندیشہ ہے کہ سرحد میں صورتِ حال مزید بگڑے گی۔ وہاں کے لوگ سیکولرازم کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔

ان حالات میں اب کرنا کیا چاہیے۔ میرے نزدیک تین باتیں ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ پاکستان کی بقاء اور سالمیت کے لیے اس کی نظریاتی اساس کا شعور دوبارہ اُجاگر کیا جائے۔ اس پر بڑے شکوک و شبہات کے پردے پڑ گئے ہیں۔ ہمارے ہاں کا سیکولر اور ملحد طبقہ یہ کہہ رہا ہے کہ نظریۂ پاکستان نام کی کوئی شے نہیں تھی، یہ خواہ مخواہ کی بات ہے۔ دوسری بات یہ کہ دستورِ پاکستان جو منافقت کا پلندہ ہے۔یعنی یہ کہ اگرچہ اس میں پورا اسلام موجود ہے لیکن ساتھ ہی کئی چور دروازے رکھے گئے ہیں جن کی بنا پر دستور کی اسلامی دفعات غیر مؤثر ہیں۔ دستور پاکستان میں ترمیم کر کے وہ چور دروازے بند کیے جائیں، تاکہ تدریجاً یہاں پر اسلامائزیشن کا عمل شروع ہو سکے۔ ہم نے ان مجوزہ دستوری ترامیم کا مسودہ تیار کر کے نواز شریف کو بھی دیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے والد مرحوم کی موجودگی میں اس کی بنیاد پر قانون سازی کرنے کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن انہوں نے وعدہ خلافی کی اور اس کی بجائے وہ پندرھویں ترمیم لے کر آئے جو بالکل ہی غیر معقول اور غیر منطقی تھی۔ پھر وہی مسودہ ہم نے ایم ایم اے کے اکابرین کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ روزنامہ نوائے وقت اور خبریں میں اشتہار کی صورت میں بھی شائع کروایا لیکن کسی کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بھائی کم از کم پیش تو کر دو منظور ہوتا ہے یا نہیں ہوتا۔ کون اس کے خلاف بولتا ہے سامنے تو آ جائے گا لیکن کوئی ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو ملک میں Soft Revolution کی راہ ہموار ہو سکتی تھی۔ اگر ہم نے اس طرف پیش قدمی نہ کی تو پھر Hard Revolution کے لیے ایک ''حزب اللہ'' تیار کرنا لازم ہے۔اس کی تیاری کے لیے وہی شرائط ہوں گی جو میں نے پہلے عرض کی ہیں۔

میں آپ سب حضرات کو کھلے الفاظ میں دعوت دے رہا ہوں کہ کوئی شخص بھی ملک میں نفاذ اسلام کی جدوجہد سے محروم نہ رہے ہر شخص ذاتی طور پر جائزہ لے کہ کون سی جماعت یا تنظیم نبوی انقلاب کے صحیح طریقہ کار کو لے کر ملک میں اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہے، اس میں شامل ہو کر دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کرے۔ (تلخیص: وسیم احمد)

ڈاکٹر اسرار احمد سے معذرت کے ساتھ

مولانا ابوعبداللہ

27 جولائی کے نوائے وقت (ملی ایڈیشن) میں سانحہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے ضمن میں ''ایوانِ وقت رپورٹ'' کے عنوان سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک مفصل بیان شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اس واقعہ کے پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ ساتھ اپنے نقطہ نظر سے نفاذ اسلام کا طریقہ کار اور اس کے لیے شرائط کا ذکر فرمایا ہے۔اس بیان میں ان کی کئی باتیں حقائق کے خلاف ہیں۔ مثلاً ان کا یہ ارشاد: ''اسلام کا ایک نظام اور ریاست کی حیثیت سے قائم ہونے کا معاملہ تاریخ میں صرف ایک مرتبہ ہوا ہے اور وہ حضور ﷺ کے دستِ مبارک سے ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے نہیں ہوا' حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں سے نہیں ہوا بلکہ صرف حضور ﷺ کے دست مبارک سے ہوا'' سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر داؤدؑ' سلیمانؑ اور ذوالقرنین کے اَدوار میں اسلام کے بطور نظام اور ریاست کے قیام کا ذکر موجود ہے۔ دراصل اسلامی نظامِ حکومت کا قیام جہاد و قتال کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ جن انبیاء اور ان کے پیروکاروں نے یہ کام کیا انہیں حکومتیں ملیں اور ان حکومتوں میں اسلام کا نفاذ ہوا۔ یہ صرف ایک نہیں سینکڑوں' ہزاروں تھے (سورۂ آل عمران' آیات 146 تا 148) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے بعد جہاد ہوا جس کے نتیجہ میں ایک عظیم اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔ (سورۃ النساء آیت 54) عیسیٰؑ کے اُمتیوں نے جہاد کیا انہیں اسلامی حکومت حاصل ہوئی (سورۃ الصف' آیت 14) سورۃ المائدۃ' آیت 44 میں صاف ذکر ہے کہ اسرائیلی معاشرے میں انبیاء تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ بنی اسرائیل میں ریاست و سیاست کا کام انبیاءؑ انجام دیا کرتے تھے۔ سورۃ النور کی آیت 55 میں جہاں اس اُمت سے خلافت و حکومت کا وعدہ ہے وہاں ساتھ ہی ذکر ہے کہ تمہیں اسی طرح خلافت ملے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو مل چکی ہے۔ گستاخی معاف' حضور ﷺ سے پہلے اسلامی ریاست و حکومت کا انکار بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہہ دے کہ آپؐ سے پہلے روزے فرض نہیں تھے۔

(2) ایک طرف ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''نبوی طریق کار کی پیروی انتہائی اہم ہے ورنہ ڈور کا سرا نہیں ملے گا' قربانیاں دیے اور خون بہے بغیر اس کام کا ہونا ناممکن ہے''۔ دوسری طرف کہتے ہیں: ''موجودہ حالات میں حکومت سے مقابلہ ممکن نہیں ہے' اس کا متبادل ایک عوامی تحریک' عوامی مطالباتی تحریک ایک سیلاب کی مانند لیکن منظم' پرامن' یہ منظم پرامن تحریک سیلاب کی مانند حکومت کو بہا کر لے جا سکتی ہے''۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی' کیا یہ نبویؐ طریق کار ہے؟ نبویؐ طریق کار تو ہجرت اور جہاد ہے کہ ہجرت کر کے وہاں پہنچ جاؤ جہاں تمہارے لیے دین پر عمل کرنا اور اس کے لیے جہاد و قتال کر کے اسلامی ریاست قائم کرنا ممکن ہو۔

(3) ڈاکٹر صاحب جہاد کی بجائے عوامی تحریک کا خودساختہ طریق کار بیان کر کے فرما رہے ہیں: ''یہ ہے وہ طریق کار جو موجودہ حالات میں ممکن ہے' اس طریق سے ہٹ کر کامیابی نظر نہیں آتی''۔ کیا پوچھا جا سکتا ہے کہ لال مسجد کے واقعہ میں یہ طریق کار کیوں نہ اپنایا گیا جبکہ آپ کے بقول ان کے مقاصد صحیح' مطالبات صحیح' نیتیں اور جذبہ صحیح تھا؟ یا آپ کے طریق کار کے مطابق 1977ء کی نظامِ مصطفیٰ کی عوامی تحریک اللہ کے دین کو قائم کرنے میں کیوں کامیاب نہ ہوئی جبکہ بقول آپ کے فوج نے گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا؟ یہ بھی بتایا جائے کہ اب تک دنیا کے کس کس ملک میں اس طریق کار کے مطابق اللہ کا دین قائم ہو چکا ہے؟ دراصل یہ بھی ان طریقوں میں سے ایک ہے جنہیں ڈاکٹر صاحب خود اپنے بیان میں contemporary قرار دے کر بہت بڑی غلطی کہہ چکے ہیں۔

(4) ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ''میں قتال حرام نہیں کہہ رہا''۔ لیکن ساتھ ہی حکومتوں کے پاس فوج' ٹینک' ایئر فورس اور ہیلی کاپٹرز کی وجہ سے اسے مشکل اور ناممکن قرار دے کر اس کا متبادل پیش کر رہے ہیں۔ بتائیے حرام کہنا اور کسے کہتے ہیں؟

(5) جہاد کشمیر کو جہاد افغانستان کا فال آؤٹ قرار دے کر اس کی نفی کر رہے ہیں کہ افغان جہاد میں امریکہ پشت پر تھا کشمیریوں میں کون ہے؟ ایک دینی عالم کو کیسے بتایا جائے کہ مسلمان کے لیے کسی کام کے کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول کا حکم ہی کافی ہے' کسی باطل قوت کی حمایت و پشت پناہی ضروری نہیں۔

(6) ڈاکٹر صاحب کے بیان کا انتہائی افسوس ناک خلاف حقیقت پہلو یہ ہے کہ انہوں نے افغان جہاد کو امریکہ کی گرینڈ سکیم اور مجاہدین کو اس کا آلہ کار قرار دے کر مسلمانوں کے جہادی جذبے کو زبردست ٹھیس پہنچائی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ افغان مسلمانوں نے خالص اپنے دین و ایمان کی حفاظت اور وطن کی آزادی کے لیے روس کے خلاف جہاد شروع کیا تھا' کیونکہ وہ روسی مقبوضات میں اسلام اور مسلمانوں کا حشر دیکھ چکے تھے۔ پاکستان اس لیے شامل ہو گیا کہ روس اس کے بھی وجود کا دشمن تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں اس کا کردار سامنے آ چکا تھا۔ عرب ممالک کے دردمند مسلمانوں نے جب اپنے دو برادر ملکوں کو خطرے میں دیکھا تو وہ بھی ایمانی جذبے کے تحت امنڈ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی' آخر روس کو ذلیل ہو کر پسپا ہونا پڑا۔ اگر روس کی شکست امریکہ کی پشت پناہی اور اسلحے کی وجہ سے تھی تو ڈاکٹر صاحب بتائیں اب وہ عراق اور افغانستان میں کیوں چیخ رہا ہے؟ اس لیے کہ مجاہدین اس کا ناطقہ بند کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیکولر پارٹیوں کے جس جوئے کی وہ بات کر رہے ہیں وہ صرف انہیں روکنے کے لیے کھیلا جا رہا ہے جس میں ان شاء اللہ کھیلنے والوں کی ہار ہی ہار ہے۔

(7) نفاذ دین کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے: ''نفاذ دین کے آخری مرحلے میں جانیں لینے نہیں جانیں دینے کے لیے تیار رہنا ہوگا''۔ جبکہ اس کے برعکس اللہ مالک الملک کا ارشاد ہے: ''دین کے نفاذ کے لیے (ہر وقت) ان (بے ایمانوں) کی جانیں لیتے رہو یہاں تک کہ (اس راستے کی سب) رکاوٹیں ختم ہو جائیں''۔ (سورۃ البقرۃ:193' الانفال:39) اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت 12 میں بھی دین کے مخالف لیڈروں کو قتل کرنے کا واضح حکم ہے تاکہ ان کی ..... اسلام کی مخالفت سے باز آ جائیں۔

(8) نواز شریف کو دیے جانے والے دستوری مسودے کے متعلق بھی ڈاکٹر صاحب کی بات صحیح نہیں ہے۔ نواز شریف نے تو علماء اور آئینی ماہرین کے مشورے سے شریعت بل تیار کر کے قومی اسمبلی سے پاس بھی کروا لیا تھا جسے نہ سیکولر طبقہ اور نہ ہی علماء ہضم کر سکے جس کا خمیازہ پوری قوم آج تک بھگت رہی ہے۔

(9) ڈاکٹر صاحب نفاذ دین اور جہاد کی فرضیت کے لیے جن مراحل اور شرائط کا بار بار ذکر فرما رہے ہیں یہ اسلام کی تکمیل سے پہلے کی ہیں۔ اب جبکہ مکمل دین ہمارے پاس موجود ہے' اس پورے دین پر غیر مشروط عمل اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں مسلمان حکمرانوں پر تہری (tripple) ذمہ داری عائد ہے کہ وہ دین پر خود بھی عمل کریں' اپنے حلقۂ اقتدار کے اندر عمل بھی کرائیں اور حلقہ اقتدار سے باہر دعوت و جہاد کے ذریعے اس کی اشاعت بھی کریں۔ اگر کوئی مسلمان فرد یا مسلمان حکمران اپنے ان فرائض میں کوتاہی کرے تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق ہر وقت ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں' مراحل کی تکمیل یا شرائط کے پورا ہونے کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے رہیں۔

(10) رہی ڈاکٹر صاحب کی ''حزب اللہ'' کی بات' تو وہ تو پہلے ہی ان علاقوں میں جہاں جہاں مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہے' اپنی بساط کے مطابق اپنا کام کر رہی ہے۔ البتہ اسے باطل کے اسلحہ و طاقت سے ڈرانے کی بجائے مسلمانوں کے دامے' درمے' سخنے' قدمے تعاون کی ضرورت ہے۔

اسلامی نظام کے قیام کا طریق کار: چند وضاحتیں

ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ

راقم الحروف سابق لشکر طیبہ اور موجودہ مرکز طیبہ اور جماعۃ الدعوۃ سے تعلق رکھنے والے مولانا ابوعبداللہ کا ممنون ہے کہ انہوں نے نوائے وقت بابت 10 راگست کے ملی ایڈیشن میں شائع شدہ اپنی تحریر کے ذریعہ مجھے اپنے خیالات کے ضمن میں مزید وضاحت کا موقع عنایت فرمایا۔ ان کا ایک مزید شکریہ اس امر پر بھی واجب ہے کہ انہوں نے اختلافات کے اظہار میں شائستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

اس سے پہلے کہ میں ان کے اٹھائے ہوئے دس نکات کے بارے میں اپنی وضاحتیں پیش کروں اس پوری بحث کے پس منظر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ ہمارے سامنے اصل حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہم پاکستان میں اور دنیا کے دوسرے مسلمان ممالک کے رہنے والے مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں اسلام کے نظامِ اجتماعی کے قیام اور شریعتِ محمدیؐ کے نفاذ کے لیے کیا طریقہ اختیار کریں اور اس پس منظر میں اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ کے ذمہ دار حضرات سے کیا غلطی ہوئی۔

(1) جہاں تک ماضی میں کسی ملک میں اسلامی نظام اور ایک باقاعدہ اسلامی ریاست کے قیام کا مسئلہ ہے' میرا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین اولوالعزم پیغمبروں میں سے سوائے سید المرسلین اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے اور کسی کے ہاتھوں یہ کارنامہ سرانجام نہیں پایا۔ قرآن مجید میں جن عظیم پیغمبروں کا بار بار ذکر ہوا ہے ان میں سے حضرات نوحؑ' ہودؑ' صالحؑ' شعیبؑ اور لوطؑ کی داستانوں کا خلاصہ تو یہی ہے کہ انہوں نے اپنی قوموں پر دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اتمام حجت کر دیا لیکن قوموں نے' سوائے معدودے چند لوگوں کے' بحیثیتِ مجموعی ان کی دعوت کو رد کر دیا' جس کے نتیجہ میں پوری پوری قومیں ہلاک اور نسیاً منسیاً کر دی گئیں۔ اور یہی انجام حضرت موسیٰؑ کے دشمن فرعون اور آل فرعون کا ہوا۔ بقیہ اولوالعزم پیغمبروں میں سے حضرت ابراہیمؑ اگرچہ تین نہایت بلند ترین نسبتوں کے حامل تھے' یعنی خلیل اللہ بھی تھے' ابوالانبیاء بھی تھے' اور امام الناس بھی تھے' تاہم ان کے ہاتھوں کسی اسلامی حکومت یا ریاست کا قیام وجود میں نہیں آیا۔ ان کے بعد حضرت موسیٰؑ کا نمبر ہے جن کی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی ساڑھے چھ ہزار آیات میں سے 555 آیات' گویا قرآن کا تیرھواں حصہ ان کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اور وہ نبی اکرم ﷺ سے اس درجہ مماثلت بھی رکھتے ہیں کہ مصر

میں دعوت وتبلیغ کے مراحل کے بعد ہجرت کا مرحلہ بھی آیا ' لیکن افسوس کہ جب قتال (جنگ) کا وقت آیا تو صرف چند ایک اشخاص کے علاوہ تقریباً پوری قوم نے کورا جواب دے دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ پر اپنی محبوب قوم سے شدید بیزاری کی کیفیت طاری ہوئی اور اس کے بعد قوم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو چالیس سالہ صحرا نوردی کی سزا ملی اس کے دوران میں ان کا بھی انتقال ہو گیا اور ان کے بھائی ہارونؑ کا بھی' اور اس طرح ان کے دستِ مبارک سے کسی حکومت یا ریاست کے قیام کا معاملہ سرانجام نہ پا سکا۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے جانشین حضرت یوشع بن نون نے جنگ کی اور فلسطین فتح بھی کر لیا' لیکن وہ کوئی ایک مرکزی حکومت قائم نہیں کر سکے' بلکہ ارضِ فلسطین کو یہودیوں کے بارہ قبیلوں نے آپس میں تقسیم کر کے نہایت چھوٹی چھوٹی بارہ ریاستیں قائم کر لیں جو دشمنوں کے لیے نرم چارہ بن گئیں اور کچھ عرصے کے بعد مشرک اقوام نے ان کو تتر بتر کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اولوالعزم پیغمبروں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمبر ہے جو جلیل القدر رسول ہونے کے علاوہ ''روح اللہ'' بھی تھے اور ''کَلِمَةُ اللّٰہ'' بھی' تاہم ان کی دعوت وتبلیغ کا کل سلسلہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے صرف ابتدائی چند سالوں سے مشابہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ قیامت سے قبل کی دنیا کی عظیم جنگوں (ملاحم) کے ایک فیصلہ کن مرحلے پر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور یہودیوں اور ان کے لیڈر دجال کو ختم کر کے ایک عالمی اسلامی ریاست کے قیام کا ذریعہ بنیں گے۔ اگرچہ ان کے اس ''ورودِ ثانی'' سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے آخری اور کامل مجدد حضرت محمد بن عبداللہ المہدیؒ کے ذریعے ایک اسلامی حکومت قائم ہو گی...... اور ایک حدیث نبویؐ کی رُو سے اس سے بھی قبل عرب کے مشرقی جانب واقع کسی ملک میں وہ اسلامی انقلاب آئے گا جس کے نتیجے میں وہاں سے فوجیں حضرت مہدیؒ کی مدد کے لیے جائیں گی۔ اللہ کرے کہ وہ خوش نصیب ملک موجودہ پاکستان اور افغانستان کے یکجا ہونے سے وجود میں آئے!

رہا حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی سلطنت کے قیام کا معاملہ' تو وہ جس جنگ کے نتیجہ میں قائم ہوئی وہ دفاعی نوعیت کی تھی اور کسی نبی یا رسول کی قیادت میں نہیں لڑی گئی تھی' بلکہ وقت کے نبی کے نامزد کردہ بادشاہ یا سپہ سالار حضرت طالوت کی قیادت میں ہونے والی ہی تھی اور ابھی دشمن کا سپہ سالار جالوت مبارزت کے لیے بڑکیں مار رہا تھا جس کے جواب میں طالوت سمیت کوئی بھی میدان میں آنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا کہ اچانک حضرت داوٗدؑ جو فوج میں شامل بھی نہیں تھے بلکہ صرف ایک گڈریا تھے جنہیں گوپیا چلانے کی ایسی مہارت تھی کہ اس کے ذریعے اپنے ریوڑوں پر حملہ آور ہونے والے درندوں کو ہلاک کر دیا کرتے تھے' موقع پر پہنچ گئے اور انہوں نے اپنے گوپیے کے پتھر سے دشمن کے سپہ سالار جالوت کو ہلاک کر دیا اور اسی پر دشمن فوج بھاگ گئی۔ اس کے بعد حضرت داوٗدؑ کو اللہ نے حکومت اور نبوت دونوں سے سرفراز کر دیا۔ گویا کہ اس سلطنت کے قیام میں حضرت داوٗدؑ کی کسی اجتماعی جدوجہد کا دخل نہیں تھا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک خصوصی مشیت کا معاملہ تھا جو ہماری عام بول چال کے اعتبار سے ''اتفاقاً'' پیش آیا۔ جہاں تک ذوالقرنین کا تعلق ہے وہ سورۃ الکہف کے بیان کے مطابق یقیناً ایک نہایت نیک' خدا ترس اور انصاف پسند بادشاہ تھے لیکن نہ تو ان کے نبی یا رسول ہونے کی کوئی صراحت کم از کم راقم الحروف کے محدود علم میں ہے' نہ ہی یہ بات احادیث نبویہ یا دیگر اسلامی روایات کے ذریعہ معلوم ہے کہ ان کی حکومت کیسے قائم ہوئی تھی۔ ویسے دنیا میں نیک اور درویش منش بادشاہ اور بھی بہت سے ہوئے ہیں جیسے ہمارے علاقے کا مشہور بادشاہ مہاراجہ اشوک تھا جو بدھ مت کا پیروکار تھا اور جس کی حکومت موجودہ پاکستان اور افغانستان دونوں کے مجموعی علاقے پر قائم تھی اور جس کے دور کی تہذیب گندھارا تہذیب کے نام سے دنیا میں مشہور ہے جس کا ایک اہم مرکز ہمارا ٹیکسلا تھا تو دوسرا مرکز قندھار تھا جو گندھارا ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے!

اس پس منظر میں سید الاولین والآخرین اور خاتم النبیین اور کامل المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آباءنا وامھاتنا) کی ذات مبارکہ نہایت اعلیٰ شان کے ساتھ سامنے آتی ہے' جنہوں نے ایک نہایت بھرپور انقلابی جدوجہد کے ذریعے تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور جامع ترین انقلاب برپا کیا' جس کی گواہی غیروں نے بھی دی۔ چنانچہ ایک ہندو کمیونسٹ راجہ ایم این رائے نے' جو کمیونسٹ انٹرنیشنل کا ممبر اور لینن کا ذاتی دوست تھا' 1920ء میں لاہور میں بریڈلاء ہال میں تقریر کے دوران کہا تھا کہ ''تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب وہ تھا جو محمد (ﷺ) نے برپا کیا''۔ (اس کا یہ لیکچر کتابی شکل میں آج بھی "Historical Role of Islam" کے نام سے بھارت میں دستیاب ہے)۔ اسی طرح 1980ء کے لگ بھگ نیویارک سے شائع ہونے والی کتاب ''The 100'' کے مصنف ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے بھی آنحضور ﷺ کو تاریخ انسانی کے دھارے کا رُخ موڑنے والی پوری نسل انسانی کی عظیم ترین شخصیت قرار دیا۔ فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم! واضح رہے کہ اس اہم تاریخی حقیقت کا تعلق اس امر سے بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر ہی اِتمام نورِ ہدایت بھی ہوا تھا (سورۃ التوبۃ آیت 32' وسورۃ الصف آیت 8) اور تکمیل دین حق بھی (سورۃ المائدۃ: آیت 3) اور جملہ انبیاء و رسل میں سے صرف آپؐ ہی کی بعثت کے ضمن میں یہ الفاظ مبارکہ قرآن حکیم میں تین بار وارد ہوئے ہیں کہ: ''وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدؐ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دینِ حق (سچا نظام زندگی) دے کر تا کہ غالب کر دیں اسے جملہ ادیان (یا پورے نظام زندگی) پر!'' (سورۃ التوبۃ: 33' سورۃ الفتح: 28' سورۃ الصف: 9) جبکہ کسی اور نبی یا رسول کے لیے بالکل ایسے تو در کنار اس کے آس پاس کے الفاظ ایک بار بھی وارد نہیں ہوئے! اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے سوا کسی اور نبی یا رسول کے ذریعے اسلامی ریاست کے قیام کے نہ ہونے کا ذکر صرف بطور اظہار واقعہ ہے' اس سے کسی بھی درجے میں ہرگز ہرگز کسی بھی دوسرے نبی یا سول کی توہین یا تنقیص مقصود نہیں! (معاذ اللہ!)

آنحضور ﷺ نے یہ عظیم کارنامہ جس طور سے انجام دیا وہ بھی ایک کتاب مبین اور روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے' یعنی یہ کہ (i) آپؐ نے اوّلاً قرآن کی دعوت وتبلیغ کے ذریعے لوگوں میں توحید' رسالت اور آخرت پر یقین والا ایمان پیدا کیا' پھر (ii) ثانیاً: انہیں منظم کر کے ایک ''حزب اللہ'' کی شکل دی جس کی اساس ابتداءً تو صرف رسالت پر ایمان پر قائم تھی لیکن بعد میں اس پر بیعتِ سمع وطاعت کا اضافہ فرما دیا گیا۔...... پھر (iii) ان حضرات کا تزکیہ کیا جس نے سوائے اللہ کی رضا کے حصول اور آخرت کی فلاح کے اور کوئی آرزو دل میں باقی نہ رہنے دی...... (iv) دعوت' تنظیم اور تزکیہ کا یہ عمل اقبال کے الفاظ ع ''بانشۂ درویشی در ساز و دمادم زن!'' کے انداز میں بارہ سال جاری رہا اور اس پورے عرصے کے دوران میں ہونے والی زبانی یا جسمانی تعذیب (Persecution) پر کسی بھی جوابی کارروائی سے رکے رہنے کا حکم دیا گیا...... تا آنکہ (vi) جب معتدبہ تعداد میں افراد بھی میسر آ گئے اور اللہ تعالیٰ نے یثرب کی سرزمین کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے اسے دارالہجرت اور اس طرح گویا آئندہ اقدام کے لیے ایک ''قاعدہ'' (Base) بنا دیا تو آپؐ نے اِذنِ ربّ سے اقبال ہی کے شعر کے دوسرے مصرعے کے الفاظ: ''چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!'' کے مصداق مشرکین عرب کے قائدین یعنی مشرکین مکہ سے ٹکرا دیا' یعنی جہاد فی سبیل اللہ کو قتال فی سبیل اللہ میں بدل دیا! جس کے نتیجے میں اللہ نے چند سال کی اونچ نیچ اور اتار چڑھاؤ کے بعد فیصلہ کن فتح عطا فرما دی اور پورے جزیرہ نمائے عرب پر الفاظ قرآنی: ''وَیَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ'' کے مطابق اللہ کا دین غالب ہو گیا۔ فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم!

2 میری جانب اس قول کی نسبت بالکل درست ہے کہ میرے نزدیک اگر اسلامی نظام کے قیام سے مراد کوئی جزوی تبدیلی یا سطحی لیپا پوتی نہیں بلکہ سیاست وحکومت' اقتصادیات و معاشیات اور تہذیب و معاشرت سمیت پورے نظامِ اجتماعی پر اللہ کے دین کا غلبہ ہے تو یہ کام جانیں دیئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو نبی کریم ﷺ کسی مسلمان کا تو

درکنار' کسی کافر و مشرک کا خون بھی زمین پر گرنے نہ دیتے!..... اس کا سبب بھی بالکل واضح ہے۔ دنیا میں ہر جگہ کوئی نہ کوئی نظام قائم ہوتا ہے' اور اس کے ساتھ مفاد پرست اور مراعات یافتہ طبقات وابستہ ہوتے ہیں جو اس نظام میں کسی تبدیلی کی کوشش کے راستے میں لازماً اپنی پوری امکانی قوت کے ساتھ مزاحم ہوتے ہیں' جن کا قلع قمع لازمی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اقبال کے اس شعر کے مطابق کہ ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

سلیم الفطرت لوگ تو دعوت و تبلیغ سے راہِ راست پر آ جاتے ہیں لیکن مترفین اور مستکبرین کے خلاف طاقت کا استعمال لازم ہوتا ہے۔ البتہ ''جان دینے'' کے لیے آمادگی کی ایک صورت دوطرفہ جنگ ہے اور دوسری صورت یک طرفہ جنگ ہے' یعنی منظم پُرامن عوامی احتجاجی و مطالباتی تحریک جس میں دوسروں کی جان لینا تو مقصود نہیں ہوتا' البتہ اپنی جانیں دینے کے لیے آمادہ و تیار رہنا ضروری ہوتا ہے!..... سیرت مطہرہ میں ہمیں بلاشبہ دوطرفہ جنگ ہی کا معاملہ نظر آتا ہے جیسے کہ سورۃ التوبہ میں اہل ایمان کی شان میں فرمایا گیا کہ ''وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں' چنانچہ قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں!''..... لیکن اس مقام پر ذرا توقف کر کے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ دورِ نبویؐ کے بعد کے چودہ سو سال کے عرصے کے دوران تمدنی حالات میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہو چکی ہیں..... اور ان کے پیش نظر دعوت' تنظیم' تزکیہ اور صبر محض کے جملہ مراحل بعینہٖ آنحضورﷺ کے اسوۂ مبارکہ کے مطابق طے کرنے کے بعد ''تصادم'' کے مرحلے کے ضمن میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں سب سے پہلی تبدیلی تو یہ ہے کہ آنحضورﷺ کے زمانے میں مقابلہ بالکل واضح تھا کہ ایک جانب کفار و مشرکین تھے اور دوسری جانب مسلمان..... جبکہ آج تمام مسلمان ملکوں میں اگرچہ نظام تو غیر اسلامی ہے لیکن حاکم بھی مسلمان ہیں اور فوجیں بھی مسلمانوں ہی پر مشتمل ہیں!..... ثانیاً اُس وقت عرب میں کوئی مرکزی حکومت اور مستقل افواج (Standing Armies) نہیں تھیں۔ جبکہ آج معاملہ برعکس ہے..... تیسرے اس وقت دونوں جانب تلواریں اور نیزے وغیرہ ہی تھے' فرق صرف تعداد کا تھا' جبکہ آج حکومت کے پاس ٹینک اور ہوائی جہاز بھی ہیں' جبکہ عوام تقریباً نہتے ہیں!۔ اُدھر چوتھی تبدیلی یہ آئی ہے کہ اُس وقت تک ریاست اور حکومت کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا تھا اور حکومت کے خلاف کسی بھی اقدام کو ریاست سے بغاوت کا درجہ دے دیا جاتا تھا۔ لیکن آج تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں حکومت کو ریاست کا صرف انتظامی ادارہ سمجھا جاتا ہے اور اسے بدلنے کا حق شہریوں کو حاصل ہے' خواہ انتخابات کے ذریعے' خواہ کسی پُرامن عوامی احتجاجی اور مطالباتی تحریک کے ذریعے! البتہ انتخابات کے ذریعے صرف حکومت بدلتی ہے نظام نہیں بدل سکتا' جبکہ عوامی سیلاب کے نتیجے میں رونما ہونے والا ''انقلاب'' شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے الفاظ: ''فکّ کلّ نظام'' کے مطابق پورے نظام کو تبدیل کر سکتا ہے! تاہم اس سلسلے میں بھی کچھ جانیں تو بہرحال دینی پڑتی ہیں' جیسے ایرانی انقلاب میں ہزاروں لوگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا! تب شاہ کو بھاگتے ہی بنی!

البتہ اس ضمن میں یہ بات بالکل واضح رہے کہ یہ گفتگو کسی مسلمان ملک میں اسلامی انقلاب کے قیام کے ضمن میں ہو رہی ہے۔ کسی مسلمان ملک پر کفار کے حملہ آور ہو جانے کی صورت میں دفاع کے لیے قتال کے سلسلے میں دعوت' تنظیم اور تزکیہ کے مذکورہ بالا مراحل لازمی نہیں ہیں' بلکہ اس ملک کی افواج کے ساتھ ساتھ عام مسلمان شہریوں پر بھی لازم ہوگا کہ اپنی افواج کے پیچھے بنیان مرصوص کی صورت میں کھڑے ہو کر سیکنڈ لائن آف ڈیفنس کا رول ادا کریں' اور اگر خدانخواستہ حکومتِ وقت بھی حملہ آوروں کی آلۂ کار بن جائے تو اس کے خلاف بھی بغاوت کر دیں' جیسے کہ روس کے خلاف افغان جہاد میں ہوا۔

3۔ مجھ سے یہ سوالات بالکل بے محل ہیں کہ ''لال مسجد اور جامعہ حفصہؓ'' کے واقعہ میں یہ طریق کار کیوں نہ اپنایا گیا؟''..... یہ سوال تو اس تحریک کے قائدین سے پوچھنے کا ہے! ہمارے نزدیک تو دعوت' تنظیم اور تزکیہ کے ذریعے مناسب قوت حاصل کیے بغیر حکومت وقت سے تصادم اختیار کر لینا ہی غلط تھا.....! اسی طرح نظام مصطفےٰ تحریک' جو اصلاً صرف اینٹی بھٹو تحریک تھی' وہ بھی ہرگز ہرگز طریق نبویؐ پر نہیں اٹھی تھی' لہٰذا اس کے ذریعے اسلامی نظام کے قیام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ جب اس نے واقعتہً ایک عوامی تحریک کی صورت اختیار کر لی تو اسے اس درجہ میں تو کامیابی حاصل ہو ہی گئی تھی کہ بھٹو صاحب کی ''مضبوط کرسی'' ڈانوا ڈول ہو گئی اور انہیں پی این اے سے مذاکرات کرنے پڑے!

رہا یہ سوال کہ خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد سے اب تک اس طریق کار پر عمل پیرا ہو کر کہیں کوئی قابل ذکر خالص اسلامی حکومت یا ریاست کیوں قائم نہ کی جا سکی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں مجموعی طور پر اُمت کی کوتاہی کو بھی دخل حاصل ہے' تاہم دو عوامل ایسے بھی ہیں جن کے باعث یہ امر طبعی معلوم ہوتا ہے: ایک یہ کہ خلافت راشدہ کے بعد مسلمانوں کی ملوکیت کا دور آیا جس میں مسلح بغاوت کے راستے میں تو من جملہ دوسری رکاوٹوں کے سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ آنحضورﷺ کی متعدد احادیث کی رو سے مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج یعنی مسلح بغاوت صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب وہ صاف اور صریح کفر کا حکم دیں پھر مسلمان ملوکیت کے اس دور میں اگرچہ سیاست و حکومت کا ڈھانچہ غلط ہو گیا تھا' اور معاشیات و اقتصادیات کے ضمن میں بھی بعض غلط چیزیں داخل ہو گئی تھیں' تاہم باقی سارا تہذیبی اور عائلی ڈھانچہ اور پورا عدالتی اور تعزیراتی نظام شریعت کے مطابق ہی تھا' دوسرا عمل جو کسی غیر مسلح عوامی تحریک کی راہ میں بھی رکاوٹ تھا یہ تھا کہ اُس دور میں جماعت سازی کی آزادی حاصل نہیں تھی جو اس کے لیے شرط لازم ہے۔ جیسے کہ آج بھی سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کا معاملہ ہے! جہاں کسی عوامی تحریک کا آغاز بھی ناممکن ہے!

البتہ اب یورپی استعمار کے کم از کم براہِ راست غلبے کے خاتمے کے بعد بالخصوص ان ممالک میں جہاں خواہ ٹوٹی پھوٹی اور لولی لنگڑی ہی سہی مگر کسی بھی درجے میں جمہوریت اور بنیادی حقوق کا تصور موجود ہے اس طرح کی کوششوں کا نہ ہونا ہماری کوتاہی اور مجرمانہ غفلت ہے!! یا صحیح طریق کار کا واضح نہ ہونا ہے' جس کے باعث اچھی بھلی تحریکیں بھی غلط راستوں پر پڑ جاتی ہیں!!!

4۔ چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ حرام تو کبھی بھی نہیں تھا' پھر نبی اکرمﷺ نے پورے بارہ تیرہ برس اسے اختیار کیوں نہیں کیا؟ اصل معاملہ یہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے لیے کچھ شرائط اور لوازم ہیں جن کے بغیر وہ قابل عمل (feasible) نہیں ہوتا۔ لیکن اسے حرام نہیں قرار دیا جا سکتا۔

5۔ کشمیر میں جو جہاد پاکستان کی جہادی تنظیموں نے کیا اسے میں نہ صرف یہ کہ واقعی جہادِ افغانستان کا ''فال آؤٹ'' قرار دیتا ہوں بلکہ ان تنظیموں کو پاکستان کی عسکری ایجنسیوں کا آلۂ کار سمجھتا ہوں۔ ورنہ مولانا ابوعبداللہ جواب دیں کہ جب کشمیر کے جہاد کے ضمن میں صدر مشرف نے یوٹرن لے لیا تو اللہ اور اس کے رسولﷺ کا حکم کہاں گیا؟ اور اب یہ تنظیمیں منقار زیر پر کیوں ہیں؟ بلکہ شنید تو یہ ہے (دروغ برگردنِ راوی) کہ بعض جہادی تنظیموں نے اپنے غیر ملکی مہمان مجاہدین کو خود پکڑ کر حکومت پاکستان کی وساطت سے امریکہ کے حوالے کیا! واللہ اعلم بالصواب!! بہرصورت جہادِ کشمیر کا وہ ولولہ اور طنطنہ اب کہاں گیا؟

6۔ جہاں تک جہادِ افغانستان کا تعلق ہے تو اس کے کئی مراحل تھے جن میں سے ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہو گئیں اور غیور اور حریت کے خوگر افغان اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ جہاد فی سبیل اللہ تو نہیں تھا اس لیے کہ اس کے ضمن میں نہ دعوت' تنظیم اور تزکیہ کے مراحل طے ہوئے تھے اور نہ ہی یہ کسی ایک نظم کے تحت اور ایک امیر کی امارت میں تھا تاہم یہ جہاد فی سبیل الحریت تھا' جو یقیناً جائز اور واجب تھا' اور اس میں جن لوگوں نے جانیں دیں وہ اپنے خلوص کی بنیاد پر یقیناً

مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے البتہ امریکہ نے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے مجاہدین کی سرمائے اور اسلحہ اور دیگر ساز و سامان کے ذریعے مدد کی۔ اب ظاہر ہے کہ مجاہدین کا خلوص جدا ہے اور امریکہ کا مقصد جدا! پھر مجاہدین کا اپنے مقصد کے لیے امریکہ کی مدد قبول کرنا بھی ہرگز غلط نہ تھا لیکن اس بات سے انکار کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے عین نصف النہار کے وقت سورج کے وجود کا انکار کر دیا جائے کہ روسیوں کی شکست میں جہاں افغانوں کے جوشِ جہاد اور جذبۂ شہادت کو دخل حاصل ہے وہاں امریکی امداد بھی بہت بڑا عامل ہے اور خاص طور پر امریکہ کے سٹنگر میزائلوں نے تو اس جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

افغان جنگ کا دوسرا مرحلہ روسی فوجوں کے جانے کے بعد مجاہدین گروپوں کی خانہ جنگی پر مشتمل ہے جس سے بہت بڑی تباہی آئی اور جہاد فساد میں بدل گیا۔ اس خانہ جنگی میں گمان غالب یہ ہے کہ امریکہ کا ہاتھ بھی ہوگا۔ اس لیے کہ اولین جہادِ افغانستان کے قائدین جدید تعلیم یافتہ اور الاخوان المسلمون اور جماعت اسلامی سے متاثر لوگ تھے اور امریکہ کو ان سے اندیشہ تھا کہ وہ ایک جدید اسلامی ریاست قائم کر دیں گے۔

تیسرا دور طالبان سے متعلق ہے جنہیں ان افغان عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا جو خانہ جنگی کی تباہیوں اور پورے افغانستان میں وار لارڈز کی خرمستیوں اور مظالم سے پیدا شدہ بدامنی کے ہاتھوں سخت پریشان تھے طالبان کی امریکہ اور پاکستان کی بے نظیر حکومت نے امداد اس لیے کی کہ امریکہ کا گمان تھا کہ یہ لوگ نرے مولوی ملاّ ئے ہیں جنہیں عہد حاضر کا کوئی علم حاصل نہیں ہے' یہ ہمارے اشاروں پر حرکت کرتے رہیں گے یہ دوسری بات ہے کہ معاملہ امریکہ کے گمان کے خلاف نکلا اور ابھی طالبان حکومت نے صرف چند اسلامی احکام ہی نافذ کیے تھے کہ ملک کے تقریباً نوے فیصد علاقے میں کامل امن قائم ہوگیا اور مغرب کے ایوانوں میں بجا طور پر اس خطرے کی گھنٹیاں بجنی شروع ہو گئیں کہ ع ''یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے!'' اور بقولِ ابلیس (بروایتِ اقبال) ع ''ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!'' چنانچہ خود ہی 9/11 کا ڈرامہ رچا کر بغیر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ جواز کے طالبان حکومت کو پیس کر رکھ دیا گیا۔ اُس وقت جو جنگ طالبان شمالی اتحاد کے خلاف کر رہے تھے اسے ہم نے برملا طور پر جہاد فی سبیل اللہ قرار دیا تھا۔ اس لیے کہ شمالی اتحاد اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں حائل تھا اور اس اعتبار سے اسلامی حکومت کا باغی تھا! رہی یہ بات کہ اس وقت افغانستان میں کیا ہو رہا ہے تو یہ ہمارے موجودہ موضوع سے خارج ہے۔ البتہ آئندہ جو کچھ ہوتا ہے اس کے ضمن میں مَیں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ۔

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے!

کے مصداق نہ صرف افغانستان بلکہ پاکستان میں بھی اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا جو عالمی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی تمہید ہوگا' ان شاء اللہ العزیز!

7۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 193 اور سورۃ الانفال کی آیت 39 کا تعلق آنحضورﷺ کی انقلابی جدوجہد کے اس دور سے ہے جب قتال فی سبیل اللہ کے مرحلے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی طرح سورۃ التوبۃ کی آیت 12 میں بھی اندرونِ ملکِ عرب قتال فی سبیل اللہ کے آخری مرحلے کا ذکر ہے کہ مسلمانو! قریش کی قوت سے خائف نہ ہو بلکہ کفر کے ان اماموں سے جم کر جنگ کرو! ان کے ضمن میں میری جانب سے کسی وضاحت کی چنداں حاجت نہیں ہے!

8۔ میاں نواز شریف کو جو مسودۂ ترمیم دستور میں نے پیش کیا تھا انہوں نے اس کی بجائے اپنے بعض خوشامدی حواریوں کے مشورے سے ایسا بل منظور کرایا جس میں ان کی حیثیت عباسی خلفاء کی سی ہو جاتی تھی کہ جملہ اختیارات ایک ہی ذات میں مرتکز ہو جائیں۔ اس پر جب ان کے ایما پر ایک مشہور وکیل میری تائید حاصل کرنے کے لیے آئے تو میری گفتگو کے بعد انہوں نے ایک بڑے دینی و سیاسی رہنما کا نام لے کر یہ کہا تھا کہ ''ان کو تو میں قائل کر آیا تھا لیکن آپ سے میں قائل ہو کر جا رہا ہوں!'' وہ نام نہاد اسلامی ترمیم میاں نواز شریف کے اس دور کے ذہن و قلب کی عکاسی کر رہی تھی جب انہیں اختیار اور اقتدار کا ''ہوکا'' ہو گیا تھا اور انہوں نے پارلیمنٹ اور عدلیہ کو فتح کرنے کے بعد پاکستان آرمی کی قیادت پر بھی ہاتھ ڈال دیا تھا' یہ دوسری بات ہے کہ اسی ''کُو'' پر ''کاؤنٹر کُو'' ہو گیا۔

9۔ دین حق لازماً اور بلاشبہ نبی اکرمﷺ پر کامل ہو گیا' جس سے کسی درجہ میں بھی انحراف جائز نہیں (اجتہاد کا معاملہ دوسرا ہے!!) لیکن بالکل اسی طرح اس دین کو بالفعل قائم کرنے اور نافذ کرنے کے ضمن میں طریق کار بھی سیرت مطہرہ اور اسوۂ کاملہ کے ذریعے متعین ہو گیا ہے' جس سے اعراض کا نتیجہ ع ''خلافِ پیمبرؐ کسے راہ گزید۔ کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید!'' کے مصداق لازماً ناکامی ہی کی صورت میں نکلے گا۔ نبی اکرمﷺ کی واضح اور صریح احادیث کے مطابق قیامت سے قبل پورے عالمِ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ چنانچہ آپؐ نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا تھا کہ ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کے اس دورِ اوّل کے بعد جو آنحضورﷺ کی وفات کے فوراً بعد شروع ہوگا' دو دور تو مختلف النوع ملوکیت کے آئیں گے' لیکن پھر آخر میں دوبارہ ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' قائم ہوگی اور اس بار وہ عالمی یعنی کل کرۂ ارضی پر محیط ہو گی۔ لیکن اس کے ضمن میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے کہ ''لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها!'' (اَوکما قال) اس ضمن میں سورۃ المائدۃ کا وہ مقام بھی بہت قابل توجہ ہے جہاں حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ اور نبی اکرمﷺ کے ذکر کے بعد یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ: ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک شریعت معین کی ہے اور ایک ایک منہاج!'' چنانچہ ہمارے لیے' جس طرح واجب الاطاعت و التنفیذ شریعتِ محمدیؐ ہے' اسی طرح واجب الاتباع بھی منہاجِ محمدیؐ ہی ہے۔ فصلی اللہ علیہ وسلم!

10۔ رہی یہ بات کہ بعض دوسرے ممالک میں ''حزب اللہ'' کے نام سے قائم تنظیموں اور جماعتوں کا دعوتی اور تربیتی پس منظر کیا ہے یا ان کا تنظیمی ڈھانچہ کیا ہے' یا ان کا طریق کار کیا ہے تو ہمارے پاس اس ضمن میں تفصیلی معلومات نہیں ہیں کہ ان پر کوئی حکم لگائیں' ہمارے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ ایک تو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام اور شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نفاذ کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ کمر کس لیں اور دوسرے اپنی پوری ذہانت و فطانت کو سیرت النبیﷺ پر مرکوز کر کے اس سے ''طریق کار'' کا استنباط کریں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہو جائیں۔ البتہ اس پر مسلسل نظرثانی کرتے رہیں مبادا ہم سے اخذ و استنباط میں کوئی خطا ہو گئی ہو!۔ اور اس ضمن میں باہم گفتگو اور مذاکرے کا اہتمام بھی کرتے رہیں!!! **فقط والسلام علٰی من یستمع القول ثم یتبع احسنه!**

ضرورت رشتہ

☆ لاہور کی رہائشی بٹ فیملی کو اپنے 30 سالہ بیٹے' تعلیم ڈپلومہ (DAE) جو کہ کویت میں ملازمت کرتا ہے' کے لئے دینی مزاج کی حامل تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔ لاہور میں مقیم فیملی کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0321-4330565 7061445

دعائے صحت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی لاہور وسطی کے رفیق امجد ظہور صاحب کا Brain Tumor کا آپریشن ہوا ہے۔

☆ تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے رفیق محمد اسلم ساجد کی والدہ دل کے عارضہ میں مبتلا ہیں اور ہسپتال میں داخل ہیں۔ رفقاء و احباب سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت کی اپیل

☆ تنظیم اسلامی لاہور چھاؤنی کے رفیق عبدالعزیز کے ماموں حاجی محمد زرداد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ رفقاء و احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ہمیں غلامی نہیں گوارا

کاشف حفیظ صدیقی

خدا کی قسم! میں مایوس نہیں، میں ناامید نہیں۔ روشنی کی کرن مجھے واضح نظر آ رہی ہے۔ رب کعبہ کی قسم! ان دگرگوں حالات میں جب دل نوحے لکھنے کو چاہتا ہے، جی ماتم کرنے کو چاہتا ہو، جب وحشتوں کا راج ہو، ظلم کا سماج ہو۔ میں قطعی طور پر اندھیروں کا مستقل ڈیرا اپنے ملک میں ہوتے نہیں دیکھ رہا۔ شاید یہ حقیقت میری زندگی میں سامنے نہ آ سکے مگر میں نہ سہی میرا بیٹا تو ضرور صبح حق کو نمودار ہوتے دیکھے گا۔ اگر وہ بھی نہ دیکھ سکا تو میں اس کو وصیت کروں گا کہ اپنی اگلی نسل کو سعی جدوجہد کی نصیحت کرے۔

14 اگست 1947ء سے 14 اگست 2007ء تک کو تو ایک طرف رکھئے، صرف 2006ء سے لے کر 14 اگست کے درمیان ہونے والے واقعات کو دیکھئے۔ آپ کو قومی سطح پر خوشی کی کوئی خبر سوائے اعصام الحق کے ومبلڈن کھیلنے کی خبر کے علاوہ کوئی اور نہیں ملے گی۔ اخبارات اٹھا کر دیکھئے آپ کو سیاستدانوں کی قلابازیاں اور سیاست کی نیرنگیاں نظر آئیں گی۔ نت نئے فتنے اور سازشوں کے بنتے، الجھتے، سلجھتے جال نظر آئیں گے۔ نیٹس کی بال کی طرح ایک کورٹ سے دوسرے کورٹ کی طرف آتے جاتے، پلٹتے، پھرتے سیاسی رہنما، ایسے سیاسی رہنما جو راتوں رات کپڑوں کی طرح سیاسی جماعتیں اور وفاداریاں بدل لیتے ہیں۔ نظریاتی سیاست تمیز، تہذیب، تمدن اور توازن عنقا ہوتا جا رہا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان کے شہری ''سیاستدانوں'' سے شدید مایوس ہیں۔ وہ کسی کو بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں پاتے۔ وہ سب کو ہی مفاد پرست سمجھتے ہیں۔ میں یہ قطعی نہیں کہہ رہا کہ میں بھی سب کو ایک جیسا ہی سمجھتا ہوں مگر سچی بات یہ ہے کہ چیلنج ہے حقیقی طور پر ان لوگوں کے لئے جو سچے دل سے اسلام پسند، محب وطن اور وفاقیت پر یقین کے دعویدار ہیں۔ یہ ان کا حقیقی امتحان ہے کہ کس طرح وہ انسانوں کے گروہوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ مخلص ہیں۔

مگر ایک دلچسپ امر یہ ہے کہ بظاہر تو دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ حکومت کی پالیسی اور عوام کی رائے کے درمیان قطبین کے فاصلے ہیں، مگر حقیقت تو یہ نظر آ رہی ہے کہ حکومت تو حکومت، وہ سیاست دان جو ابھی اپوزیشن میں بیٹھے ہیں، محض اقتدار حصول کے لئے عوام کی عام رائے سے ہٹ کر سوچ رہے ہیں۔ وہ کس طرح سوچ رہے ہیں۔ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امریکہ اس وقت واحد عالمی قوت ہے۔ جس کو چیلنج کرنے کے آثار ماسوائے چین کے کسی اور ملک کے حوالے سے نہیں پائے جاتے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ امریکہ کی پاکستانی سیاست میں دلچسپی اور اس کا عمل دخل لمحہ فکریہ ہے۔ صد حیف ہماری حکومت اور ہمارے سیاست دانوں پر جو اپنے آپ کو امریکی اثرات سے محفوظ رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ابھی گزشتہ روز وزیر خارجہ خورشید قصوری نے قومی اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''زمینی حقائق'' کو مدنظر رکھنا ضروری ہے یہ ''زمینی حقائق'' کس بلا کا نام ہے، کس چڑیا کو کہتے ہیں، کون سے جنگل میں پائی جاتی ہے۔ پاکستان کے عام شہری کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ حکومت اور سیاست دانوں میں اس وقت مقابلہ ہے کہ کون امریکہ کو کتنا باور کروا سکتا ہے کہ ہم تمہارے لئے زیادہ کام کے آدمی ہیں۔

اسی مملکت خداداد پاکستان کے عوام نے ''تھینک یو امریکہ'' کی تختیاں ڈالے اونٹوں کی قطاریں دیکھی ہیں۔ افغانستان پر امریکی حملے کے موقع پر کراچی سے ''ویلکم امریکہ'' کی ریلی نکالی جاتی ہے۔ کوئی بھی وزیراعظم ہو، منتخب ہونے کے بعد اوّلین دورہ امریکہ کا کرتا ہے۔ چھٹے بحری بیڑے کا انتظار کرتے کرتے مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بن جاتا ہے۔ کارگل کی لڑائی، امریکی وائٹ ہاؤس کی جھاڑ کے بعد، اپنے سر لے لی جاتی ہے۔ ایک ٹیلی فون کال کی بنیاد پر 15 سالہ خارجہ پالیسی تبدیل کر لی جاتی ہے۔ شمالی علاقہ جات میں امریکہ کی خاطر ہم اپنی جانیں گنواتے ہیں، اس کے باوجود امریکی مطلوبین کی پشت پناہی کا الزام بھی مول لے لیتے ہیں۔ یعنی

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

ملک میں امریکی وفود کی کثرت سے آمد و رفت، حکومت کے علاوہ سیاست دانوں سے انفرادی رابطے، بے نظیر بھٹو صاحبہ کی امریکی پالیسی ساز اداروں سے ملاقاتیں اور مذاکرات اور اسلام پسند حلقوں پر شدید تنقید، مذہبی گروہوں پر فرقہ واریت کے الزامات اور ساتھ ہی ساتھ، امریکی ہدایت پر حکومت سے رابطے۔ حدود آرڈیننس اور لال مسجد آپریشن کے حق میں حکومت کی حمایت، حکومتی جماعت کی خواتین کے ساتھ مل کر خواتین کے حقوق کی انجمنوں کے مظاہروں میں شرکت، اے پی سی میں شرکت نہ کر کے حکومت کو تقویت پہنچانا اور ابوظہبی کے محل میں حکومت سے ملاقاتیں، یہ سب کچھ عوام دیکھ بھی رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں امریکہ کے نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر پاکستان تشریف لائے۔ انہوں نے حکومت کے علاوہ اپوزیشن کے اراکین سے بھی ملاقاتیں کیں۔ تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے بشمول مذہبی جماعت کے لیڈران، سب کے سب ان سے ''شرف ملاقات'' حاصل کرنے پہنچ گئے۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آخر ہمارا تمہارا واسطہ ہی کیا۔ ہمارے ملک کی سیاست میں تمہارا کیا کردار، تم کو ہم سے یا ہم کو تم سے ملنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کاش ایسا ہوتا۔ مگر شاید یہ ساری ملاقاتیں ''زمینی حقائق'' کی وجہ سے ہی کی گئیں۔

زبان خلق کو اگر نقارہ خدا سمجھا جائے تو یہ بات ضرور سمجھ لینی چاہیے کہ پاکستانی عوام میں ہر سال امریکی حمایت میں کمی آ رہی ہے۔ 1999ء میں پاکستان کے 23 فیصد عوام امریکہ کی حمایت کرتے تھے جو 2007ء میں گھٹ کر صرف 15 فیصد رہ گئی ہے۔ اس طرح یہ 12 فیصد گر گئی، جس کی وجہ افغانستان اور عراق کے علاوہ باجوڑ اور شمالی علاقہ جات میں امریکی فوجی کارروائیاں تھیں، جس میں بچوں اور خواتین سمیت سینکڑوں لوگ شہید ہو گئے۔ یہ گھٹتی ہوئی حمایت اس بات کی غماز ہے کہ کراچی سے خیبر تک اہل پاکستان کے دل ایک دوسرے کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں کو بھی جانتے ہیں اور دشمنوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ پاکستان کے عوام مملکت خداداد کو دنیا میں ایک باعزت مقام دلانا چاہتا ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ امریکی پارلیمنٹ ہم کو یہ ہدایات دے کہ تم نے یہ کرنا ہے اور یہ نہیں کرنا۔ تم نے اس کی حمایت کرنی ہے اور اس کی حمایت ترک کر دینی ہے۔ امریکی ایوان نمائندگان کون ہوتا ہے جو ہم کو یہ بتائے کہ تم پاکستان کا نظام تعلیم سیکولر بناؤ اور لبرل سوچ رکھنے والے معاشرے کو ترویج دو۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستانی قوم کو کسی جرأت مند اور فکر حریت رکھنے والی قیادت کی تلاش ہے۔ جو اپنے رب کی نصرت پر یقین اور اپنے عوام پر اعتماد کی بنیاد پر للکار سکے کہ

دغن کے بیدار سورماؤ اٹھاؤ اپنا علم اٹھاؤ
جہاں پہ کر دیں یہ آشکارا ہمیں غلامی نہیں گوارا

کوئی ادھر بھول کر نہ آئے یہ دیس ہم کو ہے سب سے پیارا
یہ خاکی وردی ہے ہر جری کی، یہ خون، پرچم ہے اب ہمارا
یہی ہلال، ایک تیغ بھی ہے، یہی ستارہ ہے اک شرارہ

پاکستان کے 67 فیصد عوام امریکی حکومت سے نالاں ہیں۔ پاکستان کے 64 فیصد عوام یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں رونما ہونے والے کسی نہ کسی واقعے کے پس منظر میں امریکی ہاتھ کارفرما ہوتا ہے۔ 73 فیصد پاکستانی عوام اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ امریکی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عالم اسلام کو تقسیم اور کمزور کرنا ہے۔ RAND کارپوریشن یا ڈیفنس پرل ویب سروس سب کے سب عالم اسلام کے خلاف سازشوں کے منبع و محور ہی تو ہیں جنہیں امریکہ سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ 66 فیصد عوام جارج بش (امریکی صدر) پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ جبکہ ہمارے ارباب اختیار بش کو اپنا دوست اور ہمراز سمجھتے ہیں۔ یہ اس عدم اعتماد کی وجوہات ہیں۔ مثلاً جنوبی ایشیا کا دورہ کرنے آئے تو بھارت میں طویل قیام کیا اور ان کو ایٹمی تعاون کے سمجھوتے کا تحفہ بھی عطا کر گئے۔ جبکہ پاکستان میں جوان کا نام نہاد دہشت گردی کی امریکی جنگ میں اسٹریٹیجک ہی نہیں عملی معاون اور فرنٹ لائن اتحادی ہے، صرف آدھے یوم کے لئے کرکٹ کھیلنے ''تشریف'' لائے۔ دوسری طرف 9/11 کمیشن کی رپورٹ پر پاکستان کو دی جانے والی امداد کو ناروا پابندیوں اور بے جا مطالبات سے مشروط کئے جانے والے بل پر مگرمچھ کی طرح آنسو بہاتے ہوئے دستخط کر دیئے اور 14 اگست کی مبارکباد، 8 اگست کو ہی دے دی۔ کہنے لگے کہ دستخط انہوں نے مجبوراً کئے ہیں ورنہ پاکستان کے تعاون کو تو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پیو گلوبل کی 2007ء کی رپورٹ، اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ پاکستان کے 75 فیصد عوام امریکی پالیسیوں سے شدید نالاں ہیں جبکہ ہماری حکومت اور اقتدار کے بھوکے سیاستدان امریکی حمایت حاصل کرنے کی تگ و دو میں مصروف ہیں۔ اس مقصد کے لئے امریکہ کی ہر پالیسی کی حمایت کے لئے تن من دھن سے تیار رہتے ہیں۔ حکومت بڑی شدومد سے فخریہ انداز میں دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں اپنے آپ کو امریکی صف میں کھڑا کرتی ہے جبکہ پاکستان کے 95 فیصد عوام امریکہ کی سرکردگی میں لڑی جانے والی اس مسلم کش جنگ کے خلاف ہیں۔ 75 فیصد لوگ عراق اور افغانستان سے امریکی افواج کا انخلا فوری طور پر چاہتے ہیں۔

امریکی خواہشات کے برعکس پاکستان کے عوام اپنے آپ کو چین اور ایران کے قریب اور ساتھ کھڑا کرتے ہیں۔ اسی لیے امریکہ کی خواہش ہے کہ پاکستان اور چین کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو۔ اسی لئے چینی انجینئرز کو قتل کروایا گیا۔ اس بات کا اعتراف پارلیمانی سیکرٹری برائے دفاعی میجر (ر) تنویر حسین نے سات اگست کی صبح قومی اسمبلی کے اجلاس میں کیا۔ پاکستان کے 79 فیصد لوگ چین کو اپنا قریبی دوست سمجھتے ہیں جبکہ 68 فیصد کی رائے ایران کے حوالے سے بھی دوستانہ ہے۔ پاکستان کے 58 فیصد لوگ ایران کو ایک جوہری طاقت کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

غرض پاکستان کے عوام کی رائے اور سوچ حکومتی پالیسیوں اور نام نہاد مفاد پرست سیاستدانوں کی سیاست سے قطعی مختلف ہے۔ پاکستان کے عوام یہی دیکھتے ہیں کہ ہر مسلم دشمن اور اسلام مخالف عنصر کی جائے پناہ امریکہ بنا ہوا ہے۔

باجوڑ کے مدرسے پر حملہ ہوتا ہے تو امریکہ ملوث ہوتا ہے۔ بلوچستان میں گڑبڑ ہوتی ہے تو امریکہ کا نام آتا ہے۔ وزیرستان میں امن معاہدہ ٹوٹتا ہے تو امریکی حکومت خوشیاں مناتی ہے۔ لال مسجد آپریشن ہوتا ہے تو حکومت کی پیٹھ ٹھونکی جاتی ہے۔ 12 مئی کے کراچی کے قتل عام پر اغماز برتا جاتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ایمرجنسی کے نفاذ کی بازگشت سنی جاتی ہے تو امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس 17 منٹ طویل فون کال کر کے راہ عمل بتاتی ہیں۔ بے نظیر بھٹو، اہم امریکی عہدیداروں سے ملاقات کرتی ہیں۔ پاکستانی عوام ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کی مصداق سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہے ہیں۔

2007ء کے اس یوم آزادی کے موقع پر جو ہم خوشی و غم ملے جلے جذبات کے ساتھ منا چکے، اہل پاکستان کے سامنے کئی شہداء کا خون بکھرا پڑا ہے۔ کچھ نظر آنے والا اور کچھ سمجھ میں آنے والا۔ مثلاً باجوڑ کے مدرسے کے شہداء کا لہو، کراچی کے 12 مئی کے شہداء کا لہو شہدائے لال مسجد کا خون، وہ فوجی جوان جو خودکش بم دھماکوں کی نذر ہو گئے اور ان سب کے ساتھ حدود آرڈیننس میں ترمیم کا خون۔

مگر مجھے تو اس لہو سے تبدیلی کی ایک نئی لہر اٹھتی نظر آ رہی ہے۔ یہ مقدس لہو اتنا ارزاں نہیں ہے کہ بے وقعت ہو کر رہ جائے گا۔ اس لہو سے کوئی نئی افق نمودار ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اس نظام مصطفیٰ ﷺ کی جو میری اور آپ کی منزل ہے۔

اس گل کدہ پارینہ میں پھر آگ بھڑکنے والی ہے
پھر ابر گرجنے والے ہیں پھر برق کڑکنے والی ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا
ہر جوئے رواں پر برسے گا، ہر کوہ گراں پر برسے گا
ہر سرو و سمن پر برسے گا، ہر دشت و دمن پر برسے گا
خود اپنے چمن پر برسے گا، غیروں کے چمن پر برسے گا
ہر شہر طرب پر گرجے گا، ہر قصر طرب پر کڑکے گا
یہ ابر ہمیشہ برسا ہے، یہ ابر ہمیشہ برسے گا

(بشکریہ روزنامہ ''انصاف'')

خطاب: محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

(بانی تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت)

موضوع: عظمتِ مصطفی ﷺ

بتاریخ: 28 اگست بروز منگل رات 9 بجے

بمقام: فاطمہ جناح پارک (لیڈیز پارک) عارف والا

برائے رابطہ

محمد ناصر بھٹی: 0322-6575191

لیاقت علی ملک: 0300-6949044

مالدیپ میں نیا طرز حکومت

پچھلے ہفتے جنوبی ایشیا کے امیر ترین ملک مالدیپ میں نئے طرز حکومت کے سلسلے میں ووٹ ڈالے گئے۔ دراصل مالدیپ کے صدر مامون عبدالقیوم اپنے ملک میں امریکی سیاسی نظام سے ملتا جلتا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں، جس میں صدر سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ تاہم مالدیپ کی حزب اختلاف پارلیمانی طرز انتخاب کے حق میں ہے یعنی ہر پانچ برس بعد انتخابات ہوں اور وزیراعظم اقتدار سنبھال لے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ مالدیپیوں کی اکثریت صدارتی طرز حکومت کی حامی ہے۔ نتیجہ جو بھی نکلے، نومبر میں مالدیپ میں نیا آئین نافذ ہو جائے گا اور پھر اگلے برس ملکی تاریخ کے پہلے کثیر جماعتی انتخابات ہوں گے۔

شام کو روسی اسلحے کی فروخت

روس نے شام کو مختصار SIE نامی زمین سے ہوا میں مار کرنے والے میزائل فراہم کر دیئے ہیں۔ یہ میزائل دشمن کے حملہ آور طیاروں کو نشانہ بنانے کی بڑی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس سودے پر امریکا اور اسرائیل نے روس سے احتجاج کیا ہے مگر روسی حکومت نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ دراصل اسرائیلیوں کا دعویٰ ہے کہ روس شام کو جو اسلحہ فراہم کرتا ہے، اس میں سے کچھ حصہ لبنان کی حزب اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ جی ہاں، یہ وہی تنظیم ہے جس نے پچھلے سال اسرائیلیوں کو دن میں تارے دکھا دیئے تھے۔

فلسطین کے افسوس ناک حالات

حماس اور الفتح کے شدید اختلافات کے باعث فلسطینی اتحاد کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ فلسطین میں حالات تب خراب ہوئے جب جون میں غزہ میں حماس اور الفتح کے کارکنوں کے درمیان تصادم ہو گیا۔ اس کے بعد فلسطینی صدر محمود عباس نے اسماعیل ہانیہ کی جگہ سلام فیاض کو وزیراعظم بنا دیا۔

چونکہ پارلیمان میں حماس کے ارکان زیادہ ہیں، لہٰذا صدر نے یہ حکم جاری کر دیا کہ اپنے کاموں کے سلسلے میں وزیراعظم کو پارلیمان سے منظوری لینے کی ضرورت نہیں۔ جواب میں حماس سلام فیاض کو بحیثیت وزیراعظم قبول کرنے پر تیار نہیں۔

فی الوقت محمود عباس حماس سے کسی قسم کی بات چیت نہیں کر رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے غزہ کا کنٹرول انہیں دیا جائے۔ حماس کا کہنا ہے کہ صدارتی احکامات غیر قانونی ہیں۔ کم از کم غزہ میں حماس کے بغیر کسی قسم کے انتخابات منعقد نہیں ہو سکتے۔

حماس اور الفتح دونوں کو ایک دوسرے سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ آزادیٔ فلسطین کے عظیم مقصد کو وہ کس سمت لے جا رہے ہیں؟ فلسطین میں اتنا زیادہ انتشار اور عدم اتحاد پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ جون 2006ء میں حماس اور الفتح کی لڑائیوں میں 100 افراد مارے گئے۔ یہ کوئی اور نہیں فلسطینی ہی تھے۔ حماس کے خلاف امریکا، اسرائیل اور یورپی یونین کی مخالفت تو سمجھ میں آتی ہے لیکن محمود عباس نے جس جلد بازی اور نااہلی کا مظاہرہ کیا، اس نے فلسطین کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

عیسائی پادریوں کی حیرانی

افریقہ میں ہزاروں لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر عیسائی پادری حیران اور پریشان ہیں۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت افریقی ممالک میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ کلیسا اور چرچ کے پادریوں کے مظالم سے روانڈا میں 8 لاکھ افراد مارے گئے۔ پادریوں کے کرتوتوں اور کیتھولک مذہب کی حقیقت کا علم ہو جانے کے بعد روانڈیوں نے اسلام میں انسانی حقوق، رحم دلی، عدل و انصاف اور سب میں برابری کی تعلیمات کی وجہ سے عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور باقاعدگی سے مساجد میں پانچ وقت نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔

افغانستان میں اغوا کی بڑھتی وارداتیں

افغان صدر حامد کرزئی یوں تو دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے ملک میں امن و امان ہے لیکن حقائق کچھ اور ہی بتاتے ہیں۔ وہاں خودکش دھماکے روز کا معمول ہے۔ پھر ملکی و غیر ملکی باشندوں کو اغوا کرنا بھی معمول بن گیا ہے۔ طالبان نے جو جنوبی کوریائی باشندے اغوا کیے تھے، وہ ابھی تک نہیں چھوڑے۔ مزید براں ایک جرمن انجینئر بھی ان کے قبضے میں ہے۔ پچھلے ہی دنوں کابل میں ایک جرمن عورت بھی اغوا ہوگئی۔ یہ صورت حال ظاہر کرتی ہے کہ افغانستان میں امن قائم ہونا تو دور کی بات ہے، وہ مزید انارکی کی طرف بڑھ رہا ہے۔

جوہری اثاثوں کے محل وقوع سے باخبر ہیں۔ امریکہ

امریکی خفیہ اداروں کے اس دعوے پر کہ وہ پاکستان کے جوہری اثاثوں کے محل وقوع سے باخبر ہیں، اسلام آباد میں متعلقہ حکام سخت پریشان ہیں۔ اس قسم کا دعویٰ امریکی اداروں نے پہلی دفعہ کیا ہے۔ پاکستان کا جوہری پروگرام ابتدا ہی سے مختلف حکومتوں کے ادوار میں انتہائی خفیہ رہا ہے۔ اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کا جوہری پروگرام اب خفیہ نہیں رہا اور پرویز مشرف کو اگر کچھ ہو گیا تو جوہری اثاثے زد پذیر ہو جائیں گے اور امریکا ان کو محفوظ کرنے کے بہانے کوئی بھی اقدام کر سکتا ہے۔

امریکی فوجی خودکشی کرنے لگے

امریکی فوج کی ایک رپورٹ کے مطابق عراق اور افغانستان میں جاری جنگوں کے باعث امریکی فوجیوں میں خودکشی کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ یہ وہ فوجی ہیں جو شاید مظلوموں کو مرتے دیکھ کر ضمیر کے قیدی بن جاتے ہیں۔ ضمیر پھر انہیں اتنے کچوکے لگاتا ہے کہ وہ سہار نہیں پاتے اور خودکشی کر لیتے ہیں۔ 2006ء میں 99 امریکی فوجیوں نے خودکشی کی۔ اس سال بھی 50 سے زائد خودکشیاں ہو چکی ہیں۔ امریکی فوج نے حال ہی میں عراق اور افغانستان میں ماہرین نفسیات بھجوائے ہیں تاکہ وہ نفسیاتی امراض میں مبتلا فوجیوں کا علاج کر سکیں۔ اس کے علاوہ مارچ 2003ء سے لے کر اب تک عراق میں 3706 امریکی فوجی ہلاک ہو چکے ہیں۔

امریکا کی اریٹیریا کو دھمکی

امریکا نے افریقی ملک اریٹیریا کو دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے صومالیہ میں اسلام پسندوں کو ہتھیاروں کی فراہمی نہ روکی تو اُسے دہشت گردی کو فروغ دینے والے ممالک کی فہرست میں شامل کر دیا جائے گا۔ یاد رہے، چند ماہ پہلے صومالیہ کی عبوری حکومت نے ایتھوپیائی فوج کی مدد سے ان اسلام پسندوں کو شکست دے ڈالی تھی جنہوں نے موغادیشو پر قبضہ کر لیا تھا۔ تاہم اسلام پسندوں نے ہار نہیں مانی اور وہ صومالی عبوری حکومت اور ایتھوپیائی فوج کے خلاف گوریلا جنگ لڑ رہے ہیں۔

غازی عبدالرشید شہیدِ لال مسجد

انجینئر عبدالرزاق اویسی، ٹوبہ

ہے مرے موضوعِ سخن کا غازیٔ عبدالرشید
راہِ حق میں جان دے کے جس نے جنت لی خرید

منفرد ہے داستانِ صاحبِ سیف و قلم
جس نے جانا دین و ایماں جسم و جاں سے محترم

جو رہا طاغوت سے ہر آن مصروفِ جہاد
کہ ہو دیں کا بول بالا اور مٹ جائے فساد

اپنے خوں سے جو جلائے شب کی ظلمت میں سراج
پیش کرنا ہے ہمیں اُس کو عقیدت کا خراج

لال مسجد کی زمیں نے کر لیا وہ جذب خوں
جس کے ہر قطرہ میں تھا رقصاں شہادت کا جنوں

جان دے دی اور باطل سے نہ سمجھوتہ کیا
کہ یہی تھا اُسوہ اس کے باپ عبداللہ کا

ہے اویسی بالیقیں خلدِ بریں کا وہ مکیں
دیں کی خاطر اپنے خون سے جو کرے رنگیں زمیں

اللہ کی عدالت میں جوابدہی کا تصوّر

رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے ہر ایک نگران اور جواب دہ ہے۔ (1) اسلامی ریاست کا صدر نگران ہے۔ اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ (2) ہر شخص اپنے بال بچوں کا حاکم ہے اور اپنی ذمہ داریوں کے لئے خدا کے ہاں جواب دہ ہے۔ (3) عورت اپنے شوہر کے گھر (اور اس کے بچوں) کی ذمہ دار ہے۔ گھریلو انتظام کے سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی۔ (4) نوکر اپنے آقا کی اور (5) بیٹا اپنے باپ کی جائیداد کا امین اور محافظ ہے اللہ کے ہاں اس پر ان سے محاسبہ ہوگا۔ (غور سے سنو) تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرہ میں) حاکم اور نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جو اس کی نگرانی میں ہیں۔ (متفق علیہ)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لیے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں!

تعلیم یافتہ حضرات کے لیے قرآن حکیم کو سمجھنے اور فہم دین کے حصول کا سنہری موقع

یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لیے ترتیب دیا گیا ہے' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی صرف ونحو
۲) ترجمہ قرآن (تقریباً پانچ پارے)
۳) آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل (تقریباً دو پارے)
۴) قرآن حکیم کی فکری وعملی راہ نمائی (منتخب دروسِ قرآن)
۵) تجوید وحفظ
۶) مطالعۂ حدیث
۷) اصطلاحاتِ حدیث
۸) اضافی محاضرات

○ کورس کا آغاز ان شاء اللہ 10 ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو (9) ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم شعبۂ تدریس' قرآن اکیڈمی

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون: 3-5869501)

email : irts@tanzeem.org

Vol: 16 Regd. No. LRL -50 No. 32

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

By Ramzy Baroud

Managing Consent
The Art of War, Democracy and Public Relations

08.20.07 "ICH" -- -- It is Edward Bernays who fine-tuned the art of public relations in the 20th century. Using many of the psychoanalytic theories put forward by his uncle Sigmund Freud, he developed a mastery of public manipulation, suggesting that such manipulation was essential to democracy itself. Bernays strongly believed that people are simply "stupid" and in need of being told how to behave, what to believe, what to eat, what to wear, and how to vote. The outcomes of such an experiment reverberate to this day.

Some historians credit Bernays's efforts in the 1920s and 1930s for turning the modern citizen into a modern consumer. Not only did he convince Americans that a "hearty breakfast" must include eggs and bacon, as opposed to the traditional toast and coffee, he also managed to convince women at the time that cigarettes were a symbol of man's power and domination; to challenge the male sense of superiority, women needed to smoke. A few public stunts later, sales of cigarettes (which Bernays termed "torches of freedom") soared, eventually doubling the market for tobacco manufacturers, who, among many other businesses, were Bernays's clients.

It was only natural that such tactics would soon become politicized. Various presidents and presidential candidates utilized Bernays's theories and services in the interests of power and profit, though some did try to outset the increasing influence of big businesses on American democracy. Roosevelt's New Deal in the early 1930s - which purported to reengage the citizen as a vital component in a functioning democracy - was resented by the corporations, and they ferociously fought to win consumers back and defeat the democratic initiative. Ultimately, they succeeded.

Freud argues that a person's subconscious desires would be utterly violent and sadistic if uncontrolled; his nephew suggested the cure was to curb these desires in a way that generated immense profits.

It didn't take long for Bernays's tactics to be applied in US foreign policies. Guatemala is a textbook example; when the country was ready to embrace serious popular change in the 1950s, with democratically elected President Jacobo Arbenz implementing equitable land reforms that ran counter to the interests of the US United Fruit Company (which was naturally unwilling to concede its highly profitable "Banana Republic"), media manipulators in the US immediately set about to convince Americans that Arbenz somehow posed a threat to American democracy. A CIA-engineered coup deposed the elected president and installed its operative Castillo Armas, who was hailed by visiting US vice president Richard Nixon as a "liberator."

Freud's Civilization and Its Discontents argues that a person's subconscious desires would be utterly violent and sadistic if uncontrolled; his nephew suggested the cure was to curb these desires in a way that generated immense profits. Successive US administrations have taken note, and their greatest achievement has been to exploit the subconscious factors that infuse fear and paranoia among the masses. Wars have been waged, regimes overthrown, and bombs dropped in the midst of sleeping populations, all in the name of democracy. What Bernays brazenly dubbed "managing consent" - and Chomsky and Herman more honestly referred to as "manufacturing consent" - remains the defining factor that subverts true democracy in the US, and it often leads to the most violent consequences in countries that fall under the US sphere of influence.

Despite serious public efforts to counter the anti-democratic union between the state and corporations in the 1960s and 1970s, the latter managed to prevail, using direct repression at times, but also by underhandedly exploiting the same discontented popular movements to promote their ideas and products. This tactic has manifested itself invariably every time a discord between the state and corporation on one hand and the people on the other took place.

A more recent example is the way in which President George W. Bush has constantly attempted to manipulate to his advantage the anti-war movement that opposed his 2003 war and invasion of Iraq. His logic - also used by former British prime minister Tony Blair - was simple, yet most deceptive: The war in Iraq is aimed at achieving the same kind of democracy that allows millions of Americans to disagree peacefully with their government without facing the persecution they suffer under Saddam.

While one finds laughable the deduced notion that Iraqis are now reaping the benefits of democracy, one can hardly deny that Bush's logic took hold among many, even those opposed to the war. Such dialectics managed to shift the debate in many circles from the illegitimacy of the war and its true intentions to altruistic arguments about how "the world is better off without Saddam." This type of manipulation is anything but new and is hardly exclusive to the Iraq case.

Since World War II, the US government and corporate America have carried the democracy banner whenever they sought war and profits. While doing so, the CIA has managed to topple many popular, democratic governments around the world, replacing them with handpicked, puppet regimes. The Palestinian elections in January 2006 were the closest the region had seen of true democratic elections in many years, and yet the fact that it was Hamas - who violently fought the Israeli military occupation and who strongly opposed US policies in the region - was elected to power justified an entire population being starved, physically confined, and violently oppressed by Israel, with the full support of the US and the world's banking system. The Palestinian experiment is unlikely to conclude soon, but the outcomes have been utterly devastating thus far.

Edward Bernays's direct influence is long gone, but his ideas continue to define the relationships between the corporations, the American state, and the consuming citizen, and even the relationships between the state-corporations' union and the rest of the world. The carefully managed relationships have undermined democracy and unleashed sadistic wars and uncontrollable violence, of which Freud had warned, but which his nephew shamelessly exploited.